رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت۔ پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف مین چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

کتبخانۂ دار المصنفین (اعظم گڑھ)

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم قسم اول مجلد ۸ عہ، غیر مجلد ۸ عہ

سیرۃ النبی، مجلد دوم قسم اول عہ

ایضاً قسم دویم عہ، قسم سویم للعہ

الفاروق حضرت فاروق اعظم کی لائف و طرز حکومت ۲ عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانح عمری اور انکا فلسفہ ۸ عہ

المامون خلیفہ مامون الرشید عباسی کے حالات ۸ عہ

شعر العجم حصہ اول شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز و قدما کا دور زیر طبع

" حصہ دوم شعرائے عہد متوسط ۲ عہ

" حصہ سوم شعرائے متاخرین ۲ عہ

" حصہ چہارم فارسی شاعری پر ریویو ۸ عہ

" حصہ پنجم قسم اول عہ قسم دوم عہ

مقالات شبلی پندرہ علمی و تاریخی مضامین کا مجموعہ ۸ عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو ۸ر

تذکرۂ خسرو، یعنی امیر خسرو کے حالات اور انکی شاعری، ماخوذ از شعر العجم ۱۰ر

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات ۱۰ر

مکاتیب شبلی مولانائے مرحوم کے خطوط کا مجموعہ جو علمی، قومی، ادبی، اخلاقی معلومات کا خزانہ ہے جلد اول عہ جلد دوم ۸ عہ

دستۂ گل مولانا کی فارسی غزلون کا مجموعہ ۴ر

برگ گل، مولانا کے آخری زمانہ کے فارسی قصائد اور غزلون کا مجموعہ ۴ر

قصیدۂ امرتسر، امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلما مین مولانا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا، طبع نگین اعلی ۲ر

مجموعۂ کلام شبلی اردو ۱۲ر

مثنوی صبح امید اردو ۴ر

نوحۂ اسحاق مولانا کا اپنے بھائی کی وفات پر پر درد مرثیہ ۱ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ تحریم جدید طرز پر عربی مین قرآن مجید کی تفسیر ۴ر

تفسیر سورۂ قیامہ " " ۴ر

تفسیر سورۂ والشمس " " ۴ر

تفسیر سورۂ والکافرون " " ۴ر

تفسیر سورۂ والعصر " " ۴ر

اسباق النحو سہل طرز پر عربی گرامر، اردو ۵ر

دیوان حمید مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر ۱۲ر

خرد نامہ منظوم و خالص فارسی زبان مین امثال سلیمان کا ترجمہ ۸ر

تحفۃ الاعراب عربی کی نحو جدید اردو نظم مین ۲ر

دیوان الفیض

ہندوستان کے مایہ ناز استاد ادب مولانا فیض الحسن سہارنپوری کا عربی کلام صفحے ۸۰ عہ

بدیہہ گوئی، مرحوم کے بدیہہ گوئی کے دلچسپ حالات قیمت عہ

مجلد پنجم | ماہ جنوری سنہ ۲۰ء مطابق ربیع الثانی سنہ ۳۸ھ | عدد اول

مضامین

جدید مطبوعات

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی سوانح عمری، انکے مجددانہ کارنامے، بنو امیہ کی تاریخ و طرز سیاست کی تفصیل اور انکے معائب و محاسن کا موازنہ، از مولانا عبد السلام ندوی۔

قیمت ۸ عہ

منیجر

شذرات

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کے ایک ریویو سے معلوم ہوا کہ حال مین ایک نومسلم فرنچ ہیوڈینا اور ایک آبائی مسلمان سلیمان بن ابراہیم نے مشترک محنت سے انگریزی مین سیرۃ نبوی پر ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے جسکا پورا نام "لائف آف محمد دی پرافٹ آف اللہ" (سیرت محمد رسول اللہ) ہے، کتاب کی ارزان ایڈیشن کی قیمت ۲ پونڈ ۳ شلنگ (۳۰ روپیہ) اور نفیس ایڈیشن کی قیمت ۸ پونڈ ۸ شلنگ (سو روپیہ سے کچھ اوپر) ہے، اس گران قیمتی کا سبب غالباً یہ ہے کہ کتاب مین مسلمانون کا نظام تمدن وطرز معاشرت دکھانے کے لئے تصاویر کثرت سے دی گئی ہین، ٹائمز کے ریویو نگار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انداز تحریر مین تمامتر مذاق قدیم کی پیروی کیگئی ہے، اور زمانۂ حال کی ضروریات ومقتضیات کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو کیا منقولی ومعقولی حیثیات کی جامعیت کا امتیاز صرف علامہ شبلی مرحوم کی سیرت کو حاصل رہیگا؟ کتاب فرانس مین پیرس بک کلب کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔

مشہور مستشرق پروفیسر ای، جی، براؤن، مشرقی علم وادب کی جو گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہین اسکا حال سب کو معلوم ہے، حال مین لکھنؤ کے ایک ہونہار نوجوان تکمیل تعلیم کی غرض سے کیمبرج گئے ہین وہ اپنے ایک پرائیوٹ خط مین اس نامور مستشرق کا کچھ تذکرہ کرتے ہین جو امید ہے کہ اکثر ناظرین کیلئے دلچسپ ثابت ہو، وہ لکھتے ہین:-

"مین نے پروفیسر براؤن سے درخواست کی کہ وہ گب موریل سیریز کے مطبوعات دارالمصنفین کو

بھیجتے رہین، غالباً آپ بھی اسے پسند کرین اور دارالمصنفین کے مطبوعات انکے پاس بھجوائین براؤن بالکل مجذوب منش شخص ہین، مین پرسون انکے پاس گیا تہا اس غرض سے کہ اپنا عربی کا امتحان کراؤن تاکہ داخلہ کے امتحان سے جلد نجات ہوجاے، مگر وہ اپنی قوت گویائی کے آگے دوسرے کی سماعت نہین کرتے، اور موضوع اسقدر جلد بدلجاتا ہے کہ برابر سلسلہ جاری ہی رہتا ہے، کئی بار عرض مدعا کی کوشش کی مگر جواب مین البیرونی کے کارنامے، ابن باجہ کے کمالات اور مسئلہ دوران خون پر ایک لکچر سننا پڑا . . . . موصوف نے مجھے دو کتابون کے نام دیئے ہین کہ ہندوستان کے کتبخانون مین انہین تلاش کرو اگر انکی اصل مستعار مل سکے تو فبہا ورنہ انکی نقل یا فوٹو حاصل کئے جائین گے:-

(۱) الحاوی لابی محمد زکریا الرازی،

(۲) فردوس الحکمۃ لعلی بن ربان الطبری

یہ طب کی کتابین ہین، براؤن آجکل مشرق کی طبیعیات پر ایک کتاب لکھ رہے ہین، وہ بیان کے ایم، ڈی ہین اسلئے طب مین بھی کافی استعداد رکھتے ہونگے"

انگلستان کا سب سے زیادہ معزز ماہوار رسالہ نائنٹینتھ سنچری ہے جو چالیس سال سے زاید علم و فن، ادب وسیاست کی نہایت سنجیدہ خدمات ادا کر رہا ہے، اور جسکے مضمون نگارون کی فہرست مین ہمیشہ انگلستان کے مشاہیر عصر ہکسلے، ٹنڈل، گلیڈاسٹن، لارڈ ٹینیسن وغیرہ کے نام نظر آتے رہے ہین، حال مین اسکی عنان ادارت ڈیوک آف نارتھمبرلینڈ کے ہاتھ مین آئی ہے جو ولایت کے نامور رئیس ہین، کیا ہماری قوم کے کسی نواب یا راجہ سے توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی زبان کے کسی سنجیدہ پرچہ کے فرائض ادارت کو ایک لمحہ کے لئے بھی سنبھال سکیگا؟

ڈاکٹر بل، ایم، ڈی، اف، آر، سی، پی، اسوقت برطانیہ کے ایک مستند ماہر طب مغربی ہین چندروز ہوئے انھون نے سرطان کے علاج پر ایک کتاب شایع کی ہے، جسمین شواہد کی کثرت اور دلائل کی قوت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ مرض سرطان کا علاج اپریشن (عمل جراحی) کے ذریعہ سے ایک مہمل و نامعقول طریق علاج ہے، اسلئے کہ اس مرض کا اصل سبب فساد خون ہے اور وہ جب تک دفع نہ کیا جائیگا اسکے مادی مظہر کو شگاف دینا یہی نہین کہ قطعاً بے اثر رہیگا بلکہ اس طریق سے زہر برابر پھیلتا رہیگا، تا آنکہ مریض کا خاتمہ ہو جائیگا، ڈاکٹر موصوف نے اس مسئلہ پر محض نظری و استدلالی حیثیت سے بحث نہین کی ہے بلکہ کثرت سے واقعات و اعداد فراہم کرکے یہ دکھایا ہے کہ کسی مریض کو اس طریقہ علاج سے شفا ہوئی ہی نہین ہے

طب یونانی کے خدمتگزارون نے آج تک جب کبھی اس قسم کی لب کشائی کی جرات کی ہے تو ہمیشہ اسکا جواب خندۂ تحقیر سے دیا گیا ہے، دیکھنا ہے کہ قوم آذر اس تیشۂ خلیل کا کیونکر مقابلہ کرسکتی ہے؟

لکھنؤ یونیورسٹی کا قیام ہندوستان کی تعلیمی تاریخ مین ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، لکھنؤ یونیورسٹی نہ صرف اودھ کو تعلیمی "ہوم رول" دلائیگی بلکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستان کے لئے ایک بالکل نادر شے ہوگی، اساتذہ کا تقرر اور تعلیم و تدریس کے اصلی فرائض تمامتر یونیورسٹی کے ذمہ رہین گے، کالجون کی حیثیت محض ہوسٹل یا دارالاقامہ کی رہ جائیگی، طلبہ بجائے اپنے گھرون پر رہنے کے انہین کالجون مین مقیم رہین گے، باہر کی کوئی درسگاہ ملحق نہ ہوسکیگی، کالجون سے ایف، اے کی جماعتین نکال دی جائینگی، بی، اے کی مدت تعلیم بجائے دو سال کے تین سال ہو جائیگی، غرض اس قسم کے بیسیون تغیرات ہونگے جن سے ہندوستان ابتک ناآشنا تھا، ملک منتظر رہیگا کہ یہ جدید تجربات کس حد تک مفید و کامیاب ثابت ہوتے ہین۔

کمالات علم و ادب کے اعتراف کے لئے اسوقت یورپ کے ہاتھ مین سب سے بڑا مادی صلہ نوبل پرائز ہے جسکا ہر انعام ایک ایک لاکھ روپیہ سے اوپر کا ہے اور جسکا فیصلہ ہالینڈ مین ایک کمیٹی کرتی ہے، جسمین یورپ کی ہر قوم کے کاملین فن کی نیابت موجود ہے، حال مین اسکے انعامات بابت سائنس کا اعلان ہوا ہے طبیعیات مین ۱۹۱۸ء کا نوبل پرائز پروفیسر پلینک (برلن یونیورسٹی) کو، اور ۱۹۱۹ء کا پروفیسر اسٹارک (گریفسوالڈ یونیورسٹی) کو، اور کیمیائیات مین ۱۹۱۸ء کا پروفیسر ہیبر (برلن یونیورسٹی) کو ملا ہے، یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ تینون اشخاص جرمن ہین، یا کم از کم جرمن یونیورسٹیون سے تعلق رکھتے ہین، ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک بار ایک انکا ہموطن بھی اس اعزاز کا مستحق قرار پا چکا ہے، (رابندرانا تھ ٹیگور)

انگلستان مین رشنلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیین) مدت سے قائم ہے، جسکی رکنیت کا اصل الاصول یہ ہے کہ عقل کو نقل پر، دلیل کو عقیدہ پر، درایت کو روایت پر مقدم سمجھا جائے، گو عملاً اس انجمن کے اکثر ارکان صرف مذہب کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے ہین، انجمن مذکور کے بعض ارکان اہل ہند بھی تھے، لیکن ابتک اس قسم کی کوئی مستقل انجمن ہندوستان مین نہ تھی، مگر اب چند ماہ ہوئے کہ اسی نمونہ پر ایک انجمن انڈین رشنلسٹک سوسائٹی کے نام سے کلکتہ مین بھی قائم ہوئی ہے، اور انجمن کی جانب سے ایک مختصر ماہانہ رسالہ بھی انگریزی مین نکلنے لگا ہے، انجمن کی مجلس انتظامی کے ارکان کلکتہ کے بیرسٹر و گریجوئیٹ وغیرہ ہین جنمین ایک صاحب مسلمان ہین، رسالہ مذکور کا ابتک صرف پہلا نمبر ہماری نظر سے گذرا ہے، اسلئے انجمن کے طرز عمل کے متعلق کوئی رائے قطعیت کے ساتھ نہین قائم ہوسکتی، تاہم انجمن اگر اپنے اصول کے اندر محدود رہے اور خواہ مخواہ اہل مذاہب سے الجھنا اپنا فرض نہ قرار دے لے تو اسمین شبہہ نہین کہ اسکے لئے مفید کام کرنے کا بہت وسیع میدان موجود ہے، یہ دیکھکر ایک حد تک اطمینان ہوتا ہے کہ انجمن کے سرپرست سر جان ووڈرف مشہور جج ہائیکورٹ کلکتہ ہین جو اپنی سنجیدگی

وسعت نظر، علم وفضل، بے تعصبی، رواداری کا اپنی تحریرون مین ایک سے زاید بار ثبوت دیچکے ہین امید رکہنا چاہیئے کہ انکی رہنمائی مین پرجوش نوجوان ارکان انجمن اپنے حدود سے تجاوز نہ کرینگے۔

ہندوستان کے بعض خوش فہمون کے نزدیک تو شعر العجم، پروفیسر براؤن کی کتاب کا سرقہ ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خود پروفیسر موصوف، شعر العجم سے اخذ واستناد کرتا ہے، مسٹر براؤن کے ایک ہونہار شاگرد اپنے تازہ عنایت نامہ مین لکھتے ہین:-

"لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی تیسری جلد تقریباً شایع ہوگئی، اسکے پروف دیکھنے کا اتفاق ہوا تہا، شعر العجم سے بہت کچھ اخذ کیا گیا ہے، غالباً شبلی پہلے ہندوستانی ہین جنکی تعریف براؤن کی زبان سے نکلی ہے"۔

بعض حلقون مین اس خبر سے جو شدید صدمہ پیدا ہوا ہوگا اسکا ہم اندازہ کرسکتے ہین!

مقالات

تفسیر سورۂ یوسف
پر
استدراکات وانتقادات

از جناب مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ

ربیع الآخر ۳۵ھ کے معارف مین ایک مضمون سورۂ یوسف کی چند آیات کے متعلق شایع ہوا ہے مضمون بالا کے دو حصے ہین، اول قدیم تفسیر کی متعلق جرحین، دوم خود مضمون نگار صاحب کی تفسیر، مین دونون حصون کی بابت بحث کرنا چاہتا ہون[1]۔

حصہ اول مین حسب ذیل جرحین قدیم تفسیر پر کیگئی ہین،

(۱) مکر کے معنی صحیح نہین لئے گئے،

(۲) یہ تاویل صحیح نہین کہ زنان مصر نے حیلہ طعن واعتراض سے حضرت یوسف کو دیکہنا چاہا،

(۳) پہلے سے یہ یقین کرلینا ناممکن ہے کہ انسان مختل الحواس ہوکر کیا حرکت کرنے لگیگا، اعجاز جمال دیکہنے کے لئے چہری ہاتھون مین دینے کی ضرورت نہ تہی، یہ قرین قیاس نہین کہ کہانے کے کاٹنے کے لئے چہریان دیگئی ہون تو ایک ہی وقت مین سب عورتین کہانے مین مشغول ہوگئین، مختلف الاحساس عورتون پر ایک ہی اثر ہونا ضروری نہ تہا،

---

[1] آیات محولہ کے متعلق حسب ذیل تفاسیر کے مطالعہ کرنیکے بعد یہ مضمون لکھا گیا ہی، معالم التنزیل بغوی، مفاتیح الغیب رازی، انوار التنزیل بیضاوی، مدارک التنزیل نسفی، جامع البیان، الدر المنثور سیوطی، تفسیر ابن کثیر، تبصیر الرحمن مہائمی، غرائب القرآن نیسابوری،

(۴) حسن و جمال کے نظارے سے ایسا مدہوش ہونا کہ انسان اپنے تیئن زخمی کرلے، ابتدائے آفرینش سے آج تک نہین سُنا گیا،

ان اعتراضون کا سلسلہ اس عبارت پر ختم ہوا ہے کہ اس تفسیر مین عورتون کے الزام کو اور انکے ہاتھ کاٹنے کو جس شکل مین بیان کیا گیا ہے، غیر منصوص اور خلاف سیاق و سباق ہونے کے علاوہ سراسر غیر مربوط" اور خلاف عقل ہے،

حصہ دوم کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ قرآن سے جو "غالب گمان" ہوتا ہے، متبادر ہوتا ہے، اسکے دلائل یہ ہین،

اول حضرت یوسف کی دعا، دوم جن الفاظ مین زلیخا کے بہکانے کا ذکر ہے، ان مین تمام عورتون کے فعل کا ذکر کیا گیا ہے، سوم فذلکن الذی لمتنی فیہ چہارم ثم بدالہم من بعد ما راوا الایات الخ پنجم حدیث شریف کے الفاظ انکن صواحب یوسف،

پہلے ہم ان اعتراضون کا جواب دیتے ہین جو قدیم تفسیر پر کیے گئے ہین،

اولاً معنی مکر کے، مفسرین نے تقریبًا بالاتفاق لکھا ہے کہ اس مقام پر مکر کے معنی غیبت کے ہین، امام العربیہ علامہ زمخشری بھی کشاف مین یہی لکھتے ہین، علامہ کے الفاظ یہ ہین (بمکرھن) اغتیابھن وسوء قالتھن اس صورت مین صاحب مضمون کا کوئی اعتراض باقی نہین رہا، ہان اس معنی کے بیان کرنے کے بعد ضمناً یہ پہلو بھی بیان کیا ہے کہ یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ عورتون نے اس ناصحانہ طعن کے پردے مین یہ رمز رکھا ہو کہ طعنہ کے اثر سے متاثر ہو کر زلیخا یوسف علیہ السلام کو دکھلا دیگی، یہ ایک لطیف پیرایہ حصول مدعا کا تھا اور فطرت انسانی کے مطابق ہے، آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ طعن کے ذریعہ سے انسان مضطر ہو کر دل کی باتین کہدیتا ہے، گواہون سے جرح جن جن پیرایون مین کیجاتی ہے ان مین ایک موثر طریقہ یہ بھی ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ بسا اوقات گواہ طعن سے متاثر ہو کر دل کی بات کہہ ڈالتے ہین، خلاصہ یہ کہ طعن کے

اثر سے انکار ممکن نہین، اب رہا یہ اعتراض کہ یوسف علیہ السلام پردہ نشین نہ تھے، نہ زنان مصر مین ایسا پردہ ثابت ہے کہ وہ کھڑکی سے بھی نہ جھانک سکین نہ دروازہ سے تاک سکین، اس اعتراض کے وقت اس امر کو پیش نظر نہین رکھا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے پاس احترام سے رہتے تھے، اکوی متواہ سے انکی جلالت شان پائی جاتی ہے، امراء وزراء کے رہنے سہنے کا جو طریقہ پہلے تھا وہ ایسا تھا کہ عامہ خلائق سے علحدہ قلعون اور بڑے بڑے محلون مین رہتے تھے، عامہ خلائق کے سامنے بجز خاص خاص مواقع کے بہت کم ظاہر ہوتے تھے، خلفائے بنی عباس مین عرصہ تک یہی دستور رہا کہ دربار بھی پس پردہ بیٹھ کر کرتے تھے، حکم و احکام حاجب کے ذریعہ درباریون تک پہنچتے تھے، مامون رشید نے اس رسم کو توڑا، اس حجاب دانزوا کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مخلوق فرمانرواؤن کے دیکھنے کی دل و جان سے مشتاق رہتی تھی، نواب کلب علیخان مرحوم کی سواری حالت صحت مین جب کبھی نکلا کرتی تھی تو تماشائیون کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے تھے، سلطان عبد الحمید خان مرحوم کی جمعہ کی سواری یورپ و امریکہ سے سیاحون کو کھینچ کھینچ کر قسطنطنیہ پہنچاتی تھی، اہل یورپ باوجود کوشش کے انکی تصویر کھینچنے مین کامیاب نہ ہوسکے، یہ مثالین اس زمانہ کی ہین، خیال کرو اسوقت کو جب مصر مین فراعنہ کا دور دورہ تھا جو خدائی کے دعوے رکھتے تھے، کیا انکے شاہزادے بے تکلف گلی کوچون مین مارے مارے پھرتے تھے، اور ایسی عام چیز تھے کہ انکے دیکھنے کو نہ کوئی مشتاق ہوسکتا تھا، اور نہ کسی کے دل مین انکے دید کی تمنا ہوسکتی تھی، اس حفظ شان کے ساتھ ملاؤ اس واقعہ کو کہ حضرت یوسف کی جمال کی شہرت تمام مصر مین ہے، عزیز مصر کی عورت کا اُن پر مفتون ہونے اور متاع ہوش ہار بیٹھنے کا چرچہ کو بکو ہے، اس حالت مین زنان مصر کا مشتاق دیدار ہونا اور زنانہ اہانت سے ایک طعن کے لطیف پیرایہ مین حصول مدعا کی سبیل نکالنی کیا ایسا خلاف عقل امر ہے کہ اسکو لکھ کر مفسرین دائرہ عقل سے خارج ہوگئے، تھیٹرون مین نامور ایکٹ کرنیوالون کے دیکھنے کے مشتاق ہو کر بسا اوقات لوگ ہستی سے گذر جاتے ہین، اور یہ دن رات کا مشاہدہ ہے،

علی ہذا القیاس بہت سے شواہد مل سکتے ہین،

خلاصہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حفظ مرتبہ جلالت شان، انکے سر بازار پھرنے کو مانع تہا، شہرت حسن، آرزوے دیدار پیدا کرنے کے لئے کافی تھی، ان دونون باتون کے پیش نظر رکہنے کے بعد مفسرین کا قول اعتراض سے پاک ہوجاتا ہے، اسپر قوی شہادت یہ ہے کہ ان کا قول سن کر زلیخا پر جو اثر ہوا تہا کہ پرشوکت دعوت کا سامان کرکے ان عورتون کو بلایا اور یوسف علیہ السلام کو سامنے کردیا، اُنھون نے جو کہا زلیخا نے (جو حسن وعشق کی رمز شناس تھی) سمجھا،

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت دادند

ہاتھون کے کاٹنے کے واقعہ پر جن جن پیرایون اور پہلوؤن پر اعتراض ہے، وہ مفسرین کا مقبول قول نہین، انکا مقبول قول یہ ہے کہ زلیخا نے سامان دعوت آراستہ کی، مہمانون کے لئے تکئے چہیا کئے، کہانا یا میوہ کاٹنے کے لئے ہر ایک کے ہاتھ مین ایک چھری دی، جب وہ کہانا یا میوہ کاٹ ہی رہتین تو حضرت یوسف علیہ السلام کو سامنے کردیا، مہمان عورتین انکو دیکھکر مبہوت ہوگئین گھبرا گئین، چھری بجاے میوہ کے ہاتھون پر چل گئی، وہ یہ نہین کہتے کہ چھری اسلئے دیگئی تھی کہ دیکھکر ہات کاٹ ڈالینگی، اگر ایسا ہوتا تو صاحب مضمون کے اعتراضات وارد ہوسکتے تھے، بعض مفسرین نے یہ پیرایہ اختیار کیا ہی لیکن وہ بھی ضعیف کرکے، بہرحال قول مقبول وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، اور اسپر اعتراض وارد نہین ہوتا۔

رہا یہ امر کہ حسن سے عورتون کا متاثر ہوکر ہاتھ کاٹ لینا بالکل خلاف قیاس ہے اور ابتداے آفرینش سے آج تک ایسا نہین سُنا گیا۔

اسکا معمولی جواب تو یہ ہے کہ غالباً ہر شخص پر یہ واقعہ گذرا ہوگا کہ چاقو سے قلم بنا رہا ہے یا کوئی اور چیز کاٹ رہا ہے کہ خیال دوسری طرف منتقل ہوگیا، اور چاقو سے ہات کٹ گیا، اگر ایسا ہی اسوقت بھی ہوا ہو کہ سب عورتین حضرت یوسف کو دیکھکر انکے دیکھنے مین مصروف ومحو ہوگئی ہون اور بجاے

ترنج کے انکے ہاتھ مین چھری لگ گئی ہو تو کون امر خلاف قیاس ہے، یہ تو چھری سے ہات مین زخم آجانا تہا لوگ ولولۂ محبت مین کنوؤن مین گر کر، گلا کاٹ کر، زہر کہا کر جان دیدیتے ہین، یہ روزمرہ کے واقعات ہین جہان چاہو کو توالی کی خبرون مین دیکھہ لو،

شیخ علی حزین نے اپنی سرگذشت مین شیراز کا چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ ایک درویش سر بازار بیخودی عشق کی حالت مین اپنے جسم پر بے تکلف چھری کے زخم مارتا تہا، اور زخم کے لگنے پر محسوس ہوتا تہا کہ وہ اس سے لذت یاب ہو رہا ہے، شیخ کو رحم آیا اور لوگون کو ملامت کی کہ کیون چھری اسکے ہاتھ سے نہین لے لیتے، جواب ملا کہ چند بار کوشش کی، ہر بار بحالت عجز واضطراب مشاہدہ ہوئی چھری ہاتھ سے نکلی کہ جان بدن سے نکلی، مجبوراً چھوڑدیا، چند روز تک یہ عالم رہا، آخر ایک بار چھری پیٹ پر پڑگئی، آنتین کٹ گئین اور کام تمام ہوگیا،

حضرت یوسف کا جمال باکمال احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس کمال جمال کے ساتھ نور نبوت وعفت کی لمعان، اور عورتون کا پہلے سے مشتاق دید ہونا، اس حالت مین دفعتہً دیکہنے پر اگر عورتون کی چھریان بجاے میوہ کے ہاتھون پر چل گئین تو کون استعجاب ہوا، یہ داستان بہت طویل ہوسکتی ہے لیکن ادب مانع ہے، معمولی بوالہوسی مین گل کہانا روزمرہ کی بات ہے، رہا یہ امر قرین قیاس نہین کہ چھری سے کہانے کی چیزین سب نے ایک ساتھ شروع کی ہو، بالخصوص اسوقت جب حضرت یوسف علیہ السلام انکے سامنے آے، ایسے امر کو جو روزمرہ کا مشاہدہ ہے، خلاف قیاس کہنا حیرت افزا ہے، میز پر ہر روز مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک وقت مین ایک ہی چیز ہر مہمان کے سامنے ہوتی ہے اور وہ اُسکے کہانے مین مصروف ہوتے ہین، میوہ ایک ہی وقت مین کہاتے ہوتے ہین، ایشیائی طرز مین کہانا جب سب کے سامنے چن جاتا ہے تو بسم اللہ کہکر اجازت دیدیجاتی ہے، تب کہانا شروع کرتے ہین شادی کی محفلون مین گھنٹون مہمان اجازت کی انتظار مین بیٹھے رہتے ہین، عموماً کہانے کے بعد میوہ کہایا جاتا ہے،

اور مہمان اسکے کہانے مین مصروف ہوتے ہین، پشاور کی دعوتون کا یہ سمان آج تک آنکہون مین ہے

ایرانی قالینون پر میوے کی قابین صحن گلشن کا لطف دیتی ہین،

غور کیجیے! دعوت شاہی کے انواع واقسام کے کہانے کہا کر مہمان میوہ کہانے مین مصروف ہین لطف صحبت ہے، زلیخا اس موقع کو تاڑتی تہی کہ ہان اب موقع ہے کہ ناصحان شغق کے ضبط کا امتحان کرد، اسوقت کہتی ہے کہ اخرج علیهن کیا اس سے بہتر موقع اسکے لئے ہوسکتا تہا، رہا مختلف الطبائع والاحساس عورتون پر ایک ہی اثر ہونا، اسکا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ تو معمولی اثر تہا جو سب پر ہوا، اسکے بعد کے مراتب اثر کے جو کچھ ہوئے ہون انکو خدا بہتر جانتا ہے، یہ کسی مفسر نے نہین لکہا ہی کہ اسکے سوا کسی پر اور کچھ اثر نہین ہوا، غالباً ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مفسرین نے جو پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے نہ وہ "غیر منصوص" اور نہ "سراسر خلاف عقل" ہے،

اب رہا دوسرے حصہ کا امتحان کرنا چاہیئے -

سب سے اول اس تعبیر کے قائل سے انہین کے مقرر کردہ اصول کے مطابق روائت کا سوال ہوگا، جب قدما کا قول روایت کا محتاج ہے تو متاخرین اس سے کب بے نیاز ہوسکتے ہین، مضمون مین کسی روایت کا حوالہ نہین لہذا ہم اصول روایت سے قطع نظر کرکے صرف اصول درایت کو لیتے ہین،

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر قیاسات کا اسقدر سلسلہ معانی قرآن مین قائم کرنا ہر شخص کا اختیاری ہوجاے جسقدر اس مضمون مین ہے، پھر تو قرآن کی کسی روائت کے معنی بحالہا قائم نہین رہ سکتے، آغاز تعبیر مین صاحب مضمون نے چار سطر سے زیادہ قیاسی تمہید قائم کرکے آغاز مطلب کیا ہے اس سے قطع نظر کرکے ہم نفس مطلب کو جانچتے ہین، خلاصہ واقعہ یہ ہے کہ زنان مصر نے یہ کہا کہ چند باتون مین یوسف سے جوان غلام کو سیدہا کرسکتے ہین، اسکو سُن کر زلیخا نے انکو بلایا مشورہ کیا، بعد مشورہ

ہر ایک کو بستر اور چھری دی اور حضرت یوسف کو انکے پاس بھیجا وہ انکے پاس آئے تو عورتون نے اُن پر اپنے سارے فن وفریب ناز وکرشمے صرف کردیئے، مگر حضرت یوسف کے قدم ثبات کو لغزش نہولی، پھر ڈرایا اس سے بھی کام نہ چلا تو چھری سے ہاتھ کاٹ لئے کہ ہم تمپر حملہ آوری کے الزام لگاکر تمکو سزا دینگے، یہ افسون بھی کارگر نہوا، اس واقعہ کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہر عورت کے لئے علیحدہ علیحدہ خلوت گاہین، بستر اور چھری مہیا کیگئی تھی، یا ایک ہی مجلس مین، شکل اول مین اخرج علیهن کسطرح صحیح ہوگا محاورہ تو چاہتا ہے مجمع کے سامنے نمایان اور ظاہر ہونے کو، تخلیہ مین باری باری سے ہر عورت کے پاس جانیکو نہین چاہتا، اسکے علاوہ ایک لطیف پہلو یہ ہے کہ جب اسطرح زلیخا اس ایک کے پاس اپنے محبوب کو بھیج رہی تھی تو اسکی غیرت نسوانی کو یہ وسوسہ اور وہم تو نہ تہا کہ کہین ایسا نہو کہ ان مین سے کوئی وصل محبوب سے کامیاب ہوجائے؟ اگر نہ تہا تو فطرت انسانی سے وہ دور از تھی کہ جس شخص کے وصل کی تمنا مین اس نے اپنے کو مٹایا، اسی کو آنکہون کے سامنے خوشی سے دوسری عورتون کے پاس اس غرض سے بھیجدے کہ انکو بہلا پہسلا کر اپنی مدعا مین کامیابی حاصل کرین یکے بعد دیگرے یہ منظر پیش نظر ہو اور وہ اطمینان سے اسکو دیکہتی رہے، مقام حیرت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب مضمون اسکے قائل ہین کہ ناز وکرشمہ کو وہ اپنے مدعا کے حصول کے لئے کام مین لارہی ہتین، زلیخا کے لئے یہ کوشش نہ تھی،

اور اگر مجمع عام مین یہ ہوا تو پھر ایسا سمان چشم فلک نے بھی نہ دیکہا ہوگا، ایک لڑکا عورتون کی ایک جم غفیر مین چھوڑ دیا جاے، جسمین سے ہر ایک کے ہاتھ مین چھری ہو، ہر ایک اسکو ناز وکرشمون سے مسحور کررہی ہو اور حصول مدعا کی فکر مین ہو، اس لڑکے کا اس طوفان ناز مین کیا حال ہوگا اور کس طرح وہ ان امور پر مائل ہوگا جو تخلیہ طلب ہون، واضح ہو کہ وہ لڑکا کوئی بازاری اوباش نہ تہا، اس کو چہ سے ناواقف، تخلیہ مین بھی ثابت قدم رہنے والا جوان مرد تہا، کیا وہ اس طوفان بے تمیزی مین اپنی متاع عصمت برباد کرنے پر مائل ہوسکتا تہا،

آگے واقعہ یہ ہے کہ نوبت عدالت تک پہنچی اور وہ زخم جو عورتون نے خود ہاتھون پر لگائے تھے جرم قرار پاکر حضرت یوسف کی سزاے قید کی باعث ہوئی،

ذرا زخمون کی حالت جانچنی چاہیئے، معاینہ ڈاکٹری نے بتایا ہوگا کہ یہ زخم ایک ہاتھ مین چھری لیکر دوسرے ہاتھ مین لگاے گئے ہین، بالفرض اگر عورتون نے زخمی ہاتھ مین چھری لیکر دوسرے ہاتھ بھی زخمی کرلئے ہونگے، تو یہ زخم پہلے زخمون سے کم ہونگے، اسلئے کہ صحیح اور زخمی ہاتھ کی قوت مین فرق لازم ہے پھر یہ جرح پیدا ہوئی ہوگی کہ ایک نوجوان ایک عورت کی عفت پر حملہ کرتا ہے، کامیاب ہونے پر چھری سے حملہ کرتا ہے یہ واقعہ متعدد عورتون سے پیش آتا ہے، ایک ہی وقت مین مگر ہر مرتبہ اسکا وار ہاتھ ہی پر پڑتا ہے، نہ چہرہ پر زخم آتے ہین، نہ بازو پر نہ اور کسی مقام پر، اور پھر زخم کی صورت بھی ایسی ہے کہ جیسے خود کسی نے چھری سے زخم لگا لئے ہون، تیسری جرح یہ ہے کہ ایک مجمع نسوانی مین ایک نوجوان لڑکا ہے یکے بعد دیگرے ہر عورت اُسکا شکار بنتی ہے لیکن یہ نہین ہوتا کہ سب مل کر اس سے چُمٹ جائین اور اسکو مغلوب کرکے اپنی عصمت کو محفوظ رکھین، کیا کسی پاکدامن عورت کو بچنے کرنے کے لئے اس سے زیادہ کسی اور کی ضرورت ہے، معلوم نہین ان جرحون کا عدالت مجوزہ کو جواب ملا ہوگا، یہ تو قیاس نہین کیا جاسکتا تھا کہ بغیر ان اہم جرحون کے صفائی کے قید کا حکم سنا دیا ہو،

(باقی)

عہدِ اسلام مین ہندوستان کی جہاز رانی اور بحری کارنامے

(۱)

از جناب محمد یوسف صاحب صدیقی ایم بی، او، آر ایس

مسلمانون کی آمد ہندوستان مین خلیفہ عمرؓ کے وقت سے شروع ہوگئی تھی، وہ دریائی راستہ سے سندھ آتے اور یہان کی پیداوار لیکر چلے جاتے، یہ سلسلہ چند خلفا کے زمانہ خلافت تک قائم رہا، خلیفہ ولید کے زمانہ مین جب مسلمان دریائی راستہ سے سندھ آرہے تھے تو دریاے انڈس کے رہنے والے لوٹیرون نے دیول کے مقام پر جو سندھ کا ساحل تھا انکے آٹھ جہازون کو لوٹ لیا جنکو لنکا کے حاکم نے حجاج اور خلیفہ کو خوش کرنے کے لئے تحفتہ بھیجا تھا اور جنمین قیمتی جواہرات اور یتیم اور مساکین تھے، ان لوٹیرون نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا، اور تمام ملک کو دہلائے ہوے تھے، ان ہی غارتگرون کی وجہ سے سلطنت ایران جو آزاد اور برسر اقتدار تھی خوف زدہ رہتی تھی، ان سے ملک کی خوب حفاظت کیجاتی تھی اور جہاز رانی دریاے ٹائگرس تک ناقابل گذر خیال کیجاتی تھی، جہازون کے لوٹ لئے جانے پر مسلمانون نے راجہ داہر والی سندھ کو ان غارتگرون کو کافی سزا دینے کے لئے کہا، راجہ نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ دیول کے لوگ اُنکے رعایا نہین تھے، اس عذر کو مسلمانون نے عذر لنگ سمجھا، محمد ابن قاسم جہاز پر سوار ہوکر دیول آیا، اسکے ساتھ کافی آدمی تھے، اور اسلحہ اور جنگی مشینین بھی تھین ان مشینون مین ایک کا نام منجنیق تھا وہ اسقدر بڑا تھا کہ اسکے استعمال کے لئے ۵۰۰ آدمیون کی ضرورت

ہوتی تھی،[1] محمد ابن قاسم نے راجہ داہر کو شکست دی۔

مسلمانون کی آمد تجارتی اغراض سے قائم ہو چکی تھی، لیکن محمود غزنوی پہلا شخص تھا جس نے اپنا قدم پورے طور پر جما لیا، اور فتوحات کئے، محمود کے سترہ حملے ہندوستان پر ہوئے، جب محمود سومنات سے واپس آرہا تھا تو جاٹون نے اسکی فوج کو تباہ و برباد کر دیا، جس سے محمود کو سخت رنج پہنچا اور اس نے جاٹون پر چڑھائی کی، یہ چڑھائی نہایت شاندار اور دریائی تھی، سر ایچ الیٹ نے اس طور پر اسکا ذکر کیا ہے،

"محمود اپنی فوج لیکر ملتان پہنچا اور ۱۴۰۰ کشتیون کی طیاری کا حکم دیا، ہر کشتی مین تین سلاخین وہے کی اس ترکیب سے لگائی گئی تھین کہ جو چیز کشتیون کے آس پاس آئے ٹکر کھا کر تباہ و برباد ہو جائے، ہر کشتی مین بیس تیرانداز تھے اور ہر ایک کے پاس ہتھیار، تیر و کمان اس ساز و سامان کے ساتھ محمود جاٹون پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، جب یہ خبر جاٹون نے سنی تو وہ مقابلہ کیلئے طیار ہو گئے، جاٹون کی کشتیان ایک قول کے مطابق چار ہزار اور دوسرے قول کے مطابق آٹھ ہزار تھین اور پورے طور پر مسلح تھین، دونون طرف سے خوب گھمسان لڑائی ہوئی جاٹون کی کشتیان جب شاہی کشتیون کے قریب پہنچین تو سلاخون سے ٹکر کھا کر پاش پاش ہو گیئن اس طرح پر جاٹون کی کشتیان کثیر تعداد مین تباہ و برباد ہوئین اور انکے آدمی دریا مین غرق ہو گئے۔"[2]

گیارہوین صدی مین ابوریحان بیرونی ہندوستان مین آیا، اور ہندوستان کے کل حالتون پر گہری نظر ڈالی جسکا نتیجہ اسکی کتاب موسومہ کتاب الہند ہے (اس کتاب کا ترجمہ پروفیسر ساخو نے انگریزی مین کیا ہے اور دو جلدون مین شائع ہوئی ہے، وہ لکھتا ہے کہ مغربی گھاٹ پر بوارج نامی

[1] البلاذری از تاریخ سر ایچ الیٹ جلد اول صفحہ ۱۲۰ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن، [2] تاریخ ہند از سر ایچ الیٹ جلد دوم صفحہ ۴۷۸۔

ایک قوم آباد تھی جو جہازون کو لوٹ لیتی تھی، اسکا یہ بھی بیان ہے کہ ساحل گجرات تجارتی ہل چل کا ایک دلچسپ منظر تھا، اور اس ساحل سے شکر و دیگر پیداوار جہازون مین لاد کر غیر ممالک کو جاتے تھے اور وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ مالابار ہند کی کنجی تھی، جہان سے مونگے، موتی، اور گرم مصالح، عراق، خراسان، شام، روم اور یورپ بھیجے جاتے تھے، علاوہ اسکے چین سے بھی اعلیٰ پیمانہ پر تجارت کا سلسلہ تھا، اور بڑے بڑے جہاز جنکو چینی زبان مین جنک کہتے تھے، ہندوستان مین آتے اور یہان کی پیداوار لیکر چین واپس چلے جاتے تھے،[1]

بارہوین صدی کا مشہور مورخ الادریسی بھی ہندوستان کی تجارت کو تفصیل سے لکھتا ہے اسکا یہ بھی بیان ہے کہ اس زمانہ مین چین اور ہندوستان سے تجارتی تعلقات تھے، یہی مورخ کارمنڈل کی روئی اور مالابار کی الائچی اور کالی مرچ کا ذکر کرتا ہے،

تیرہویں صدی مین جب غیاث الدین بلبن سلطنت دہلی کا تاجدار تھا تو طغرل خان گورنر بنگال نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا، بادشاہ نے طغرل خان کے خلاف دو مہین روانہ کئے، مگر دونون مہین ناکام ثابت ہوئین، اس ناکامی سے بادشاہ کو بڑی مایوسی ہوئی اور اس نے خود طغرل خان کے سزا دینے کا ارادہ کیا، اس نے گنگا اور جمنا مین کثیر تعداد مین کشتیون کے مہیا کرنے کا حکم دیا، شاہی حکم کے مطابق کشتیان جمع کی گیئن، بادشاہ بہت بڑے سامان کے ساتھ دو لاکھ فوج لیکر روانہ ہوا، اس وقت پانی بہت بڑھ گیا تھا، اور گنگا مین ایک تلاطم برپا تھا، سلطان اور اسکی فوج بڑی دقتون سے گنگا پار اترے طغرل خان کو جب بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ لکھناوتی سے جج نگر (جدید ٹیرا) کی طرف بھاگ نکلا سلطان نے پوری قوت کے ساتھ اسکا تعاقب کیا اور چند دنون مین سونارگاؤن پہنچا، جب سلطان سونارگاؤن پہنچا تو وہان کا راے دنوج راے نامی سلطان سے ملا اور اقرار کیا کہ وہ

[1] کتاب الہند ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ سر ایچ الیٹ جلد اول صفحہ ۶۵، ۶۷، ۶۹،

طغرل خان کے بحری راستہ سے بھاگ جانے سے نگہبانی کریگا، طغرل خان کے مرجانے پر اور اسکے لشکر کی مکمل شکست کے بعد اس مہم کا خاتمہ ہوگیا[1]۔

اسی صدی کے آخر میں ممالک غیر کے دو سیاح ہندوستان میں آئے، ان میں ایک ابو الفدا دمشقی تھا اور دوسرا مارکوپولو چینی، اول الذکر مالابار کی کالی مرچ اور کارمنڈل کی روئی کی تجارت کا ذکر کرتا ہے اور اسوقت کے بحری تجارت کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے، وہ ہندوستان کو وسیع نظر سے دیکھتا ہے، اور یہان کی تجارت کو تفصیل سے لکھتا ہے، وہ ہندوستان اور چین کے تجارتی تعلقات کو بھی ظاہر کرتا ہے، مارکوپولو ہندوستانی جہاز کا تذکرہ تفصیل سے کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "جہاز صنوبر کی لکڑی سے بنے ہوتے تھے اور وہ اس طرح پر کہ دو تختے بیرونی اور اندرونی جانب سے لوہے کی کیلون سے ملاے رہتے تھے، جہاز کے نچلے حصہ مین ایک قسم کا لیپ لگا دیا جاتا تھا تاکہ پانی کا اثر نہ ہو، وہ لیپ چونا، سن اور نباتی تیل سے بنایا جاتا تھا"۔

یہی سیاح ہندوستانی جہاز کی شکل، پیمانہ، درستی اور طریقہ مرمت پر بھی تفصیل سے لکھتا ہے، اسکا بیان ہے کہ جہاز اتنے بڑے ہوتے تھے جنمین ۱۵۰ سے ۳۰۰ تک مسافر سوار ہوسکتے تھے، ان جہازون پر پانچ چھ ہزار ٹوکرے کالی مرچ کے لادے جاتے تھے، ان جہازون مین متعدد ڈانڈ ہوتے تھے، اور ہر ڈانڈ پر چار شخص متعین رہتے تھے، جہازون مین دو یا تین بڑی بڑی کشتیان لگا دی جاتی تھین، جنپر ایک ہزار ٹوکرے کالی مرچ کے رہ سکتے تھے، اُن جہازون کو کھینے کے لئے ۶۰ سے ۱۰۰ ملاحون کی ضرورت ہوتی تھی، کشتیون کے علاوہ ہر جہاز مین دس ڈنگیان لگائی جاتی تھین تاکہ مچھلی مارنے اور دیگر ضروریات کے لئے وقت پر کام آسکے، ڈنگیون مین ساٹھ چھوٹی چھوٹی کوٹھریان ہوتی تھین اور ہر ایک کوٹھری مین ایک سوداگر کے رہنے کے لئے کافی جگہ ہوتی تھی، علاوہ ان کوٹھریون کے

[1] ماخوذ از تاریخ فیروز شاہی مولفہ برنی۔

۱۳ اکو ٹھریان اور ہوتی تھین، اور یہ کوٹھریان موٹے تختون سے بنی ہوتی تھین جو ایک دوسرے سے جڑے ہوتے تھے، یہ تختے اس غرض سے لگاے رہتے تھے کہ خطرہ کے وقت یا جہاز مین سوراخ ہوجانے پر کام آئے اور مال واسباب اور مسافر دوسرے ڈوبزن مین چلے جائین تاکہ جان و مال کا نقصان نہو، ڈنگیون کی وسعت کے لحاظ سے کوٹھریون مین کمی بیشی ہوتی رہتی، جب جہاز مین سوراخ ہوجاتا تو اس وقت تختے لگاے جاتے، اگر ایک ناکافی ہوتا تو دو لگاے جاتے تھے، اور اگر دو ناکافی ہوتے تو تین، غرضکہ اسی طرح پر چھ تختے تک لگائے جاتے، چھ تختے لگانے کے بعد بھی کام کے قابل نہ رہتا تو ناقابل استعمال متصور ہوتا۔

مارکوپولو مالابار کے موتی کے شکار کا حال تفصیل سے لکھتا ہے، اسکا بیان ہے کہ "ایسے جہاز کے مالک عموماً تجار ہوتے تھے جو اپنی کمپنیان قائم کئے ہوئے تھے، اور متعدد کشتیان اور جہاز متفرق پیمانہ کے رکھتے تھے، ان جہازون مین رسے اس خوبی سے لگے رہتے تھے کہ جہاز نہایت آسانی سے ٹھہر سکتا تھا، ہر ایک کمپنی کی طرف سے متعدد غواص ملازم تھے جو غوطہ مار کر دریا سے سیپی نکالتے تھے، ان غواص کے جسم مین جالی کا ایک تھیلا لگا رہتا تھا تاکہ سیپی کے ملنے پر اس تھیلا مین رکھ سکین، وہ غواص پانی کے اندر اسوقت تک رہتے تھے جب تک وہ سانس روک سکتے تھے، جب سانس ٹوٹنے کے قریب ہوتی تو وہ پانی کے اوپر چلے آتے اور کچھ دیر دم لینے کے بعد پھر غوطہ لگاتے تھے"[1]۔

سلطان فیروز تغلق نے سنہ ۱۳۵۳ء اور سنہ ۱۳۶۰ء مین لکھنا وتی کے خلاف دو مہمین روانہ کئے، ان دونون مہمون مین متعدد کشتی ہاے بندکشان روانہ کئے گئے تھے جنمین ایک لاکھ فوج تھی، اور وہ سنار گاؤن کے چارون طرف دریا پار اترنے کے لئے روانہ ہوے تھے[2]، سنہ ۱۳۶۲ء مین سلطان نے ایک مہم ٹھٹھہ پر بھیجی، اس مہم مین فوج کے دریاے اندس پار اترنے کے لئے پانچ ہزار کشتیان مہیا کیگئی تھین[3]۔

[1] ماخوذ از سفرنامہ مارکوپولو مترجمہ مسٹر مارسڈن [2] تاریخ فیروز شاہی ماخوذ از تاریخ ہند مؤلفہ سر ایچ ایلیٹ جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ و ۳۲۱ [3] ایضاً

سنہ ۱۳۹۸ء مین سلطان تیمور نے ایک مہم مین دریاے انڈس پار اترنے کے لئے بہت ہی کم عرصہ مین کشتیون کا پل باندھ دیا، جس سے اسکی فوج نہایت آسانی سے دریا پار اتری، تیمور کو متعدد لڑائیان دریاے گنگ اور جمنا مین لڑنا پڑین[1]،

پندرہوین صدی کے ابتدا مین یعنی سنہ ۱۴۰۹ء مین ایک چینی مسلمان مہان نامی سفیر شاہ چین ہندوستان مین آیا وہ کالی کٹ کی حالت اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "یہ مقام تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے اور دنیا کے ہر حصہ سے تجار کی آمد و رفت رہتی ہے" اسکا یہ بھی بیان ہے کہ "جب کوئی جہاز چین سے آتا تو ایک افسر مال کی فہرست کر لیتا اور مال کی قیمت لگانے کا ایک دن مقرر کرتا"۔ اسی کی تحریرات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہند و چین کے درمیان تجارتی تعلقات اعلیٰ پیمانہ پر تھے، اور دونون سلاطین کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے، اور اکثر آپس مین ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجتے تھے اور ایلچیون کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری تہا۔

اسی صدی مین عبدالرزاق سفیر مرزا شاہ رخ بادشاہ سمرقند و ہرات ہندوستان مین آیا، وہ بندر کالی کٹ کی نسبت جو اسوقت جہاز رانی کا مرکز سمجھا جاتا تہا اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "کالی کٹ آباد و معمور بندرگاہ ہے، اس بندرگاہ مین بلاد و امصار کے بیشمار تجار آتے ہین اور یہان سے اکثر جہاز کالی مرچ سے بھرے ہوئے مکہ کو جاتے ہین، کالی کٹ کے باشندے دریائی سفر مین تیز و چالاک ہوتے ہین، راستہ مین کہین لوٹیرے کالی کٹ کے جہاز کو لوٹنے کی جرات نہین کرتے، یہان پر خیر سگالی اس شہر مین امن و اطمینان اسدرجہ تہا کہ تجار اپنے مال و اسباب جہازون سے اتارتے اور بازارون مین ڈالدیتے تھے، محکمہ چنگی کے سپاہ دن اور رات انکے مال کی حفاظت کرتے تھے، جب مالک کل مال بیچ لیتا تو اس سے چالیسوان حصہ لیتے تھے اور کوئی دوسرا ٹکس ان سے نہین لیا جاتا تہا، دیگر بنادر

[1] ملفوظات تیموری ماخوذ تاریخ ہند مولفہ سرایچ الیٹ جلد سوم صفحہ ۴۰۸ ۔

مین اسوقت یہ دستور تہا کہ اگر کوئی کشتی طوفان کی وجہ سے آجاتی تو اسکو باد آور سمجھکر لوٹ لیتے تھے لیکن یہان ایسی کشتیون کی حفاظت ہوتی تھی اور کسی قسم کی خیانت و تاخت نہین کیجاتی تھی، جب اسکا وارث پیدا ہوتا تو اسکو دیدیا جاتا اور مال بکنے پر دستور کے موافق چالیسوان حصہ لیا جاتا۔

اسی صدی کے ابتدا مین ایک اور روسی سیاح نکولو کونٹی (Niccolo-conti) ہندوستان مین آیا، وہ ہندوستانی جہاز اور تجارت کی نسبت اس طرح بیان کرتا ہے کہ "ہندوستان کے باشندے ہمارے جہازون سے بڑے اور اچھے جہاز بناتے ہین، انکے جہازون مین پانچ پال اور پانچ مستول اور دو ہزار بندوق رکھنے کی جگہ ہوتی ہے، نچلا حصہ تین تختے سے بنا ہوتا ہے تاکہ طوفان کو برداشت کر سکے، ان جہازون مین متعدد خانے اس طرح پر ہوتے ہین کہ اگر کوئی خانہ پھٹ جاے تو دوسرے خانہ مین مال و اسباب رکھدئے جائین اور سفر مین کسی طرح کی زحمت نہین ہوتی" گنگا کے کنارے اونچے اونچے بانس دیکھکر تعجب کرتا اور کہتا ہے "گنگا کے کنارے بڑے بڑے بانس ہوتے ہین، جن سے ہلکی چھوٹی مچھلی مارنے والی کشتیان بنائی جاتی ہین" ہندوستانی تجارت کی نسبت اس طرح بیان کرتا ہے کہ "یہان کے تجار بڑے امیر کبیر ہین اور ان مین اکثر کے پاس چالیس چالیس خاص جہازات ہین جن سے تجارت کرتے ہین اور جنکی قیمت ۵۰۰۰ سونے کا سکہ ہوتی ہے[1]"۔

پندرہوین صدی کے آخر حصہ مین ایک جنیوا کا سوداگر ہیرونمس ڈی سینٹو اسٹیفینو . . . . (Hieronims di aants slefano) نامی تجارت کی غرض سے ہندوستان مین ایک جہاز پر سوار ہو کر آیا وہ لکھتا ہے کہ "مین جس جہاز پر سوار تہا اس جہاز کے تختے سوت سے سلے ہوئے تھے اور پال روئی کے بنے ہوے تھے" جب وہ سماترا سے کمبے جا رہا تہا تو جزائر مالدیپ کے آگے اسکا جہاز طوفان مین گھر گیا، لیکن دوسرے جہازون نے اپنی کشتی پر اسے لیلیا، وہ لکھتا ہے کہ

[1] پندرہوین صدی مین ہندوستان کی حالت مرتبہ ہکلوٹ سوسائٹی ،

تین جہاز جو ہماری جماعت سے جدا ہوگئے تھے اور ہم سے پانچ میل آگے بڑھ گئے تھے ہماری تباہی کو معلوم کرکے فوراً اپنی کشتیاں بھیجیں اور ہم ایک جہاز پر سوار ہو کر کمبے پہنچے[1]۔

پندرہویں صدی اور اوائل سولہویں صدی کے واقعات سے ہندوستان کے بحری کارنامے کی تصدیق ہوتی ہے، اسوقت سلاطین احمد آباد کا مرتبہ مغربی ساحل پر حاکم سمندر کا تھا، اس وقت جاوا شاہی فہرست میں غیر ملکی بندرگاہ تھا، اور خراج ادا کرتا تھا، یہ خراج اس حفاظت کے لئے ادا کرتا ہوتا تھا جسکی حفاظت شاہی محافظت سے ہوتی تھی[2]،

سنہ ۱۴۲۹ء میں گجرات کا بادشاہ احمد شاہ ایک بیڑہ جس میں ۱۷ جہاز تھے، بمبئی اور سیلسٹ کے حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا جسپر سلاطین بہمنی نے قبضہ کرلیا تھا، گجرات کے ایک اور بڑے بادشاہ نے ایک بیڑہ لوٹیروں کے خلاف روانہ کیا جو ساحل پر لوٹ مار کرتے تھے[3]۔

شاہان گجرات کے بحری کارنامے اگر صراحت سے دیکھنا چاہیں تو تاریخ پورتگیز کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، سنہ ۱۵۰۸ء میں گجرات کا بیڑہ مصریوں کے ساتھ اس غرض سے ملگیا کہ پورتگیز کو ساحل چول سے بھگا دیا جائے، اور بالآخر شاہ گجرات نے پورتگیز کو چول سے بھگانے میں کامیابی حاصل کی، اسوقت چول بہت بڑی تجارتی منڈی ہوگئی، ایران اور بحیرہ احمر سے تجارتی سلسلہ قائم ہوگیا تھا، اسی راستہ سے ہندوستان کے کل جہاز جو یورپ جاتے تھے گذرتے تھے، دوسری مشہور جگہ بھیں تھی جہاں نہایت عمدہ شہتیر افراط کے ساتھ پائی جاتی تھی، اس مقام سے شہتیریں مکہ جاتی تھیں جنکو ترک اپنے بیڑے کی طیاری میں استعمال کرتے تھے۔

سولہویں صدی میں کالی کٹ بھی ترقی پاکر جہاز سازی کا مرکز ہوگیا، ورتھیما (Kerthema) نامی سیاح کی تحریرات سے اس صدی کے جہاز، انکے پیمانہ، شکل، وزن اور باربرداری کا پتہ چلتا ہے،

[1] ایضاً حاشیہ بصفحہ گذشتہ [2] گجرات مولفہ برڈ صفحہ ۱۳۰ [3] تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن ضمیمہ متعلق گجرات۔

شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں جہاز رانی و جہاز سازی کو نمایاں ترقی ہوئی اور قریب قریب ہر صوبہ میں جہاز سازی کے کارخانے قائم ہوئے، خصوصاً بنگال، کشمیر اور سندھ جہاز رانی اور جہاز سازی کے مرکز تھے، الہ آباد، لاہور اور مشرقی و مغربی سواحل میں بھی جہازات طیار ہوتے تھے، سنہ ۱۵۹۲ء میں بنگال میں راجہ ٹوڈرمل نے بحری قیام کے لئے چند پرگنے مخصوص کردیئے تھے اور اسکے متعلق ایک دفتر تھا، اس دفتر کے قیام کے لئے ۲۹۲۸۲ روپے مقرر کئے گئے تھے اور پرانے جہازوں کی مرمت کے لئے سالانہ موازنہ میں ۸۴۳۴۵۲ روپے تھے جو مرمت میں صرف ہوجاتے تھے، اس صوبہ میں تین ہزار جہازات اور کشتیاں تھیں جنمیں ۷۶۸ جنگی جہازات تھے، انکے علاوہ اور بھی کشتیاں تھیں جو جاگیرداروں سے جاگیر کے عوض لی جاتی تھیں، بیڑے کا مستقر ڈھاکہ تھا اور اسی مقام سے مگ اور اراکانی سے صوبہ کی حفاظت ہوتی تھی، کیونکہ یہ قومیں اکثر دریائی راستہ سے آتے اور بنگال کو تاخت و تاراج کرتے تھے، اور وہاں کے آدمیوں کو پکڑ کرلے جاتے تھے اور دکن کے بندرگاہوں میں لیجاکر ڈچ اور فرانسیسی تاجروں کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتوں میں فروخت کردیتے تھے، علاوہ متذکرہ بالا رقموں کے دفتر میر بحری سے بھی وہ رقمیں جو بطور ٹکس کے وصول ہوتی تھیں آتی تھیں، ایسی کشتیاں جو مستقر سے ان مسافروں کو لیجاتی تھیں جو اس ضلع کے باشندے نہ تھے ۸ر سے عہ تک کشتیوں کے اقسام کے لحاظ سے ٹکس لئے جاتے تھے، مرشد آباد جانے والی کشتی سے ۸ر، کلکتہ جانے والی کشتی سے ۱۰ر اور بنارس جانے والی کشتی سے عہ لئے جاتے تھے، وہ کشتیاں جو متذکرہ بالا مقاموں سے آتی تھیں فی کشتی عہ ر ۶ار، للعہ بطور ٹکس کے لئے جاتے تھے، ابتدا میں محال کا تعلق شہروں کے ساتھ تھا، لیکن اسکے بعد زمینداروں کے متعلق کردیا گیا، اور یہ ٹکس زمینداروں سے وصول ہونے لگے، زمینداروں کو اس انتظام کے رو سے ایک رجسٹر رکھنا ہوتا تھا جسمیں ان کشتیوں کے نام اور پتہ درج ہوتے تھے جو انکی سرحد سے ہوکر گذرتے تھے[1]۔

[1] ماخوذ از ٹوپوگرافی آف ڈھاکہ مصنفہ ٹیلر۔

شاہی جہازون کے بنانے کے لئے سلہٹ سے شہتیرین آتی ہین، سلہٹ شہتیر کے قدرتی پیداوار کا ایک مشہور مقام تھا، ان ہی شہتیرون سے ہر قسم کے جہازات اور کشتیان طیار ہوتی ہین -

گذشتہ صفحات مین ذکر کیا جاچکا ہے کہ صوبہ سندھ بھی جہاز رانی اور جہاز سازی کا مرکز تھا بقول ابوالفضل مصنف آئین اکبری سرکار ٹھٹھا کے پاس چالیس ہزار کشتیان تہین[1]، اسوقت لاہوری بندر دریاے انڈس کا مشہور و معروف بندرگاہ تھا، اس بندرگاہ کے مفصل حالات تاریخ طاہری سے ظاہر ہوتے ہین، ہم اس موقع پر صرف اقتباس سے کام لیتے ہین،

شہر ٹھٹھا اور لاہوری بندر کے درمیان دو روز کی بحری مسافت ہے، اسکے بعد سمندر مین پہنچنے کے لئے ایک دن اور صرف ہوتا ہے، بندرگاہ سے دریا تک ایک تنگ راستہ تھا جسکو ٹھٹھا کی زبان مین نار کہتے تھے، تنگ راستہ کے دہانے پر میر بندر کی طرف سے ایک محافظ متعین رہتا تھا جب کوئی جہاز اس تنگ راستہ مین داخل ہوتا تھا تو بندوق کی آواز سے اطلاع دیتا تھا جسکا جواب محافظ بھی بندوق ہی کی آواز سے دیتا تھا، پھر وہ ٹھٹھا کے سوداگرون کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دیتے تھے، اور کشتی پر سوار ہوکر وہان جاتے جہان محافظ متعین ہوتا تھا، محافظ اسکی اور اسکے جہاز اور مال و اسباب کی پوری حالت پوچھتا، اگر جہاز اسی بندرگاہ کا ہوتا تو لاہوری بندرگاہ مین جانے کی اجازت دیجاتی تھی -

(باقی)

[1] آئین اکبری مترجمہ جیرٹ صفحہ ۳۴۳ -

مسئلہ زر

از جناب مقبول احمد صاحب رئیس سندیلہ

(۳)

زر فلزاتی کے استعمال کا طریقہ

دنیا کی سکہ سازی مین یا تو سونا استعمال ہوتا ہے یا چاندی اور زر مستند بھی انہین دہاتون کا ہوتا ہے مبادلہ خارجہ مین ہر دہات اپنی قیمت مبادلہ کے معیار سے قبول کیجاتی ہے جو اکثر کم و بیش ہوتی رہتی ہے اسلئے دو فریق پیدا ہو گئے، ایک فلزی (- - - - - - - - -) اور دوسرے فلزینی (- - - - - - - - -) کہلاے، ایک فریق اسکا مدعی ہوا کہ صرف ایک دہات کے استعمال کرنے سے تجارت مبادلہ اور معیار قیمت مین آسانیان ہو جائینگی،

دوسرا فریق اسکا مدعی ہوا کہ دونون دہاتون کے استعمال کرنے سے آسانیان پیدا ہونگی، ان دونون فریقون مین ایک جنگ عظیم برپا ہوگئی، اب اگرچہ ایک دہات کے استعمال کرنے کا طریقہ صحیح تسلیم کرلیا گیا ہے مگر یہ بحث ابھی ختم نہین ہوئی ہے اسلئے ہم فریقین کے دلائل ناظرین کے سامنے پیش کئے دیتے ہین -

زر فلزاتی کے استعمال کرنے کے طریقے مختلف ہین،

(۱) اگر کسی ملک مین ایک دہات کا سکہ زر مستند، معیار قیمت غیر محدود زر قانونی ہو اور اسکی سکہ سازی آزاد ہو تو اس ملک کا طریقہ فلزیت (- - - - - - - - -) کہلائیگا، جیسے انگلستان مین صرف سونے کا سکہ ہے، اور چین مین صرف چاندی کا سکہ ہے،

(۲) اگر کسی ملک مین دونون دہاتون کے سکہ غیر محدود زرِ قانونی، زرِ مستند، معیارِ قدر اور زرِ گردش کے لئے ضروری ہون، اور دونون کی سکہ سازی مقرر نرخ مبادلہ کے تناسب سے آزاد ہو، اِس ملک کا طریقہ فلزانیت (. . . . .) کہلائیگا، اس طریقہ کا رواج ریاستہاے متحدہ امریکہ مین رہا اور اٹھارہوین صدی کے آخر سے ۱۸۷۳ء تک ریاستہاے اتحاد لاطینی (فرانس، اٹلی، یونان، بلجیم اور سوئٹزر لینڈ) کا رہا،

(۳) اگر کسی ملک مین دونون دہاتون کے سکہ غیر محدود زرِ قانونی ہون اور چلن کے لئے ضروری ہون مگر صرف ایک کی سکہ سازی آزاد ہو تو ایسا طریقہ فلزانیت ناقص . . . . . . (Lempsid Be-metallism) کہلائیگا، یہ طریقہ ریاستہاے متحدہ امریکہ اور فرانس کا ہے،

معیار قدر کے لئے یہ ضروری ہے کہ قیمت زر مین ثبات ہو یعنی اسکی قوت خرید مین حتی الامکان کمی بیشی نہو، اسی اصول کو پیش نظر رکھکر دونون فریق اپنے اپنے دلائل پیش کرتے ہین، حامیان فلزانیت کہتے ہین کہ

۱- دونون دہاتون کے استعمال سے زیادہ ثبات قدر ہوتا ہے اور قیمتون مین بمقابلہ ایک دہات کے استعمال کے خفیف کمی بیشی ہوتی ہے،

(الف) وہ کہتے ہین کہ دو دہاتون کے زرِ مستند ہونیکی حالت مین تعداد زر زیادہ ہوگی اور جب تعداد زر زیادہ ہوگی اگر مقدار زر مین اور اضافہ ہوگا تو قیمت زر اور قیمت اشیا، پر بمقابلہ ایک دہات کے استعمال کے کم اثر پڑیگا،

(ب) حامیان فلزانیت یہ بھی کہتے ہین کہ ایک دہات کی رسد کی کمی بیشی دوسری دہات کی رسد کی کمی وبیشی سے برابر ہوجائیگی اور قیمت زر مین ثبات رہیگا اور عام قیمت اشیا ریکسان رہیگی،

۱۸۵۰ء کے بعد سے فلزانیت نے یہ صورت ضرور پیدا کردی تھی، یعنی سونے چاندی کا تناسب قائم رہا، اور ثمن اشیا، مین بھی ثبات رہا، لیکن ۱۸۹۰ء مین جب کانون سے سونے کی رسد زیادہ ہوئی تو یہ صورت قائم نرہی اور یہ اندیشہ ہوا، اور اسکے وجوہات بھی تھے کہ اگر چاندی کے سکہ سازی مخصوص نہ کردیجائیگی تو چاندی کی رسد مین بھی اضافہ ہوگا، اور فلزانیت بجاے قیمت اشیا مین ثبات کرنے کے معکوس نتیجہ پیدا کریگی، یہ خیال رکہنا چاہیئے کہ حال کی جنگ سے جو ان دہاتون پر اثر ہوا ہے اسکو ہمنے بالکل نظرانداز کیا ہے، اگر موقع ہوا تو آیندہ کسی وقت اسکو بصراحت لکہین گے،

(۲) بحالت فلزانیت ثمن اشیا، بڑہجانیکی وجہ سے پیدا کرنے والون کو منافع زیادہ ہونگے، اِسلئے پیدائش مین ترقی ہوگی یعنی فلزانیت مین چونکہ تعداد زر زیادہ ہوگی اور اسمین بمقابلہ فلزیت کے اضافہ زیادہ ہوگا، اِسلئے بتدریج قیمت زر کم ہوتی جائیگی، اور ثمن اشیا، بڑہتی جائینگی، اور جب ثمن اشیا، بڑہینگی تو پیدا کرنے والون کا منافع بھی بڑہیگا، اور جب نفع زیادہ ہوگا تو پیدائش کی طرف لوگ زیادہ مائل ہونگے اِسلئے پیدائش مین ترقی ہوگی،

(۳) فلزانیت مین ثمن اشیا، بڑہجانے سے اور قیمت زر کم ہوجانے سے قرضدار کو نفع پہنچتا ہے، یعنی جب قیمت اشیا، بڑہجائیگی تو کم پیداوار فروخت کرنے سے قرضدار اپنا قرض ادا کردیگا اور اس ذریعہ سے اسکا بار ہلکا ہوجائیگا، اور بحالت فلزیت قیمت زر بڑہجائیگی، اور قرضدار کو زیادہ پیداوار اپنے قرض کے ادا کرنے کے لئے فروخت کرنا پڑیگی اور اس طرح اسکے بار مین اضافہ ہوجائیگا،

(۴) بحالت فلزانیت بنک کو آسانی ہوجائیگی کہ وہ کفایت شعاری کے ساتھ اپنا سرمایہ محفوظ جس دہات مین مناسب سمجھے رکھے، اور روپیہ کا نرخ یعنی سود کم ہوجائیگا اور یکسان رہیگا،

(۵) فلزانیت مساوات مبادلہ سونا استعمال کرنیوالے اور چاندی استعمال کرنیوالے ممالک مین قائم کرکے تجارت خارجہ کی معین ہوتی ہے (مساوات مبادلہ اسوقت ہوتی ہے جب ایک ملک کا تاجر

اپنے ملک مین زرِ فلزاتی کی ایک رقم کسی سکہ مین جمع کرے اور اسکو ٹھیک اسی مقدار کے زرِ فلزاتی پانے کا حق دوسرے ملک مین حاصل ہوجاے۔)

ان ممالک مین جہان معیار قیمت ایک ہی دہات مین ہے، مساوات مبادلہ ہوتی ہے، لیکن ان ممالک مین جنمین کہ ایک ملک مین چاندی معیار قیمت ہے اور دوسرے مین سونا ہے، مساوات مبادلہ نہین ہوتی ہے، چاندی اور سونے کی قیمت ایک دوسرے کی تناسب سے مقرر نہین ہوتی ہے بلکہ رسد وطلب کے لحاظ سے کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔

حامیان فلزاثنیت کہتے ہین کہ اگر مختلف اقوام اصول فلزاثنیت کو تسلیم کرلین اور معاہدہ بین الاقوام کے ذریعہ سے سونے اور چاندی کی ثمن کا تناسب قائم کردین تو ان مین مساوات مبادلہ قائم ہوجائیگی یعنی سونے کی ثمن چاندی کے مقابلہ مین اور چاندی کی ثمن سونے کے مقابلہ مین کم وبیش نہوگی، اور سوداگرون کو اس وجہ سے کوئی نقصان تجارت خارجہ مین نہوگا اور اس طرح سونا استعمال کرنیوالے اور چاندی استعمال کرنیوالے ممالک مین تجارت کی ترقی ہوگی۔

یہان یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ (بقول حامیان فلزاثنیت) بین الاقوامی فلزاثنیت مین یہ سب فوائد حاصل ہوسکتے ہین اگر کسی خاص ملک مین یہ طریقہ رائج ہوگا تو زیادہ کامیابی نہوگی۔

مخالفین کے اعتراضات

مخالفین فلزاثنیت یہ اعتراض کرتے ہین کہ

(۱) ان ممالک مین جو فلزاثنیت کو تسلیم کرلین گے، ان مین صرف ایک قسم کا روپیہ یعنی زرِ ناقص رہجائیگا ہم قانون گرشیم کی تشریح مین یہ بتلاچکے ہین کہ اگر کسی ملک مین زرِ کامل اور ناقص دونون چلتے ہونگے تو زرِ ناقص چلن مین رہجائیگا اور کامل غائب ہوجائیگا، فلزاثنیت مین صرف وہ روپیہ جسکی چلن مین قدر بصورت سکہ بمقابلہ دہات کے زیادہ ہے رہجائیگا، اور زرِ کامل غائب ہوجائیگا، ریاستہاے

متحدہ امریکہ مین سنہ ۱۷۹۲ء مین صرف چاندی رہ گئی اور سونا غائب ہوگیا، سنہ ۱۸۳۴ء مین سونا رہ گیا اور چاندی غائب ہوگئی۔

(۲) اگر اس تناسب قانونی مین جو دو دہاتون مین قائم کیا گیا ہے بازار کے تناسب سے فرق ہوگا تو قرضخواہ اس دہات مین ادائگی چاہین گے جسکی قیمت بڑھ گئی اور قرضدار اس دہات مین اداکرنا چاہین گے جسکی قیمت گھٹ گئی ہے، یہ صورت کاروبار مین بہتری پیدا کریگی، فرض کیجئے کہ سونے اور چاندی کا تناسب ۱- اور ۱۵ کا مقرر ہے، لیکن چاندی کی قیمت بازار کا تناسب سونے کے مقابلہ مین ۱- اور ۱۶ کا ہوجائے تو قرضخواہ چاندی کا سکہ چاہین گے، اور قرضدار سونے کا سکہ دینے پر آمادہ ہونگے۔

(۳) انگلستان کے مشہور ماہر اقتصادیات مارشل کا یہ اعتراض ہے کہ اگر سونے کا استعمال صنعت وحرفت مین زیادہ ہوگا تو قدر زر بڑھجائیگی اور سونے چاندی کی مقرر کردہ تناسب بصورت زر اور نرخ بازار کے تناسب مین فرق ہوگا، اس فرق کی وجہ سے (Speculation) (جوا) مع تمام خراب نتائج کے شروع ہوجائیگا،

فلزاثنیت کے عمل پذیر اور غیر عمل پذیر ہونیکی بحث بہت کافی ہوئی اور متعدد کانفرنسین اس کے تصفیہ کے لئے منعقد ہوئین، دو کانفرنس زیادہ وقیع تہین جو سنہ ۱۸۶۷ء مین پیرس مین اور سنہ ۱۸۹۲ء مین برسلس مین ہوئین، اور بعد بحث فیصلہ فلزاثنیت بین الاقوامی کے خلاف ہوا، ہم اس کانفرنس کے مباحث کو بخیال طوالت نظرانداز کرتے ہین،

اول تو کانفرنس کا فیصلہ اسکے خلاف ہوا، دوسرے سونے کی پیدائش مین بیشی ہوئی اور حامیان فلزاثنیت کی خواہش قیمت زر گھٹانے کی بھی پوری ہوتی نظر آئی، اسلئے فلزاثنیت ہی کا رواج ہوا اور اس طریقہ مین چند خوبیان بمقابلہ فلزیت کے زیادہ ہین، تمام ممالک متحدہ مین چونکہ سونے کا سکہ رائج ہے اور وہی معیار قیمت ہے، اسلئے ہم سونے کی فلزیت کا ذکر کرتے ہین۔

(۱) فلزیت بمقابلہ فلزاینیت زیادہ صاف اور واضح طریقہ ہے اور کاروبار مین زیادہ آسانی پیدا کرتا ہے،

(۲) چونکہ سونا بمقابلہ چاندی کے زیادہ قیمتی ہے، اسلئے وہ ترقی یافتہ ممالک کے لئے جنکے کاروبار بڑے ہین اور آمدنیان زیادہ ہین روپیہ کے کام دینے کے لئے زیادہ موزون ہے،

(۳) پروفیسر کیلی کی راے مین قیمت زر مین کمی بیشی فلزیت اسقدر زیادہ مشکلات انجام کا نہین پیدا کرتی ہے جیسا کہ فلزاینیت -

(۴) بوجہ ترقی فن کان کنی بحالت فلزاینیت سونے کی رسد کانون سے اسکی طلب کے برابر ہوگی اور ضروریات زر کے لئے سونا کافی ملتا رہیگا-

ہم نے فلزیت و فلزاینیت دونون کے موافق ومخالف دلائل لکہدیئے، فلزیت مین چونکہ آسانیان زیادہ ہتین اسلئے یہی طریقہ تسلیم کیا گیا، سونا استعمال کرنیوالے اور چاندی استعمال کرنیوالے ممالک کے مبادلہ خارجہ مین دونون دہاتون کی قیمت مین کمی بیشی ہوتی تھی اسلئے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا گیا جسکو معیار مبادلہ طلا (Gold exchange standard) کہتے ہین اسکا سب سے پہلا رواج جاوا مین ہوا، اب ہندوستان، فلیپائنس، میکسکو اور پناما مین یہی طریقہ رائج ہے، جس ملک مین (۱) دونون دہاتون کے سکے غیر محدود زر قانونی ہون (۲) اندرون ملک کی چلن کے لئے چاندی کا سکہ ہو اور سونے کا سکہ جو بین الاقوامی سکہ کہا جاتا ہے، چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین اندرون ملک کی چلن کے لئے عام طور پر بہ آسانی نہ ملتا ہو (۳) مبادلہ خارجہ کے لئے چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین سونے کا سکہ ایک مقررہ تناسب کے حساب سے بہ آسانی ملتا ہو اور سونے کا ایک رقم محفوظا اسی ضرورت کے پورا کرنے کے واسطے موجود ہو تو وہ طریقہ معیار مبادلہ طلا کہلائیگا-

ہندوستان مین چاندی کا روپیہ عام طور پر چلتا ہے، اور ساورن زیادہ کثرت کے ساتھ

چلن مین نہین ہین، چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین گورنمنٹ ساورن دینے پر مجبور نہین ہے، لیکن مبادلہ خارجہ کے لئے ساورن ملتے ہین، اور ایک رقم محفوظا بھی اسی ضرورت سے لندن مین رہتی ہے ساورن اور روپیہ کا تناسب عموماً ۱-اور ۱۵ کا رہتا تہا، لیکن اب اثرات جنگ کے باعث غیر متعین ہے اور روپیہ کی سکہ سازی محدود ہے،

اس طریقہ کے حامی اس بات کے مدعی ہین کہ آیندہ تمام ممالک مین یہی طریقہ رائج ہوجائیگا یعنی معیار سونے کے سکہ کا ہوگا، اگر سونے کا سکہ چلن مین نہوگا، سب سے بڑا فائدہ اسکا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

(۱) اندرون ملک کی گردش کے لئے سکہ کم قیمت مین بنینگے یعنی کم قیمت دہات سے کام چلیگا اگرچہ سستی دہات کے سکہ کی قیمت بڑہا دیجائیگی یعنی زر وضعی کردیا جائیگا،

(۲) اور مبادلہ خارجہ مین ثبات رہیگا، یعنی ایک مقررہ تناسب سے چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین سونے کے سکے مبادلہ خارجہ کے لئے ملجائین گے،

کسی شخص کو اس سے انکار نہین ہوسکتا ہے کہ ثبات نرخ مبادلہ خارجہ مفید ہے اور طریقہ بالا مین یہ خوبی ضرور ہے لیکن ثبات نرخ سے یہ نتیجہ نہین نکلتا ہے کہ روپیہ کی قیمت سونے مین مقرر کردیئے وہ اور افعال زر بھی اس طریقہ خاص مین انجام دیگا -

ہم افعال زر مین لکھ چکے ہین کہ پہلا اور اہم فعل زر کا یہ ہے کہ آلہ مبادلہ ہو نہ صرف مبادلہ خارجہ کے لئے بلکہ اندرون ملک کے تجارت وصنعت وغیرہ کے لئے بھی، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے روپیہ ایسا ہونا چاہیئے کہ عام طور پر قبول کیا جائے، اور عام طور پر قبول ہونے کے لئے زر مین قیمت ذاتی کا ہونا لازمی ہے، اور روپیہ کی دہات کی کم قیمتی کے باعث خفیف بے اطمینانی بھی اسکے عام طور پر قبول ہونے مین مانع ہوگی -

آلہ مبادلہ کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ وہ ضروریات تجارت کے ساتھ مطابقت کرے،

تجارت کے حجم کی کمی بیشی کے ساتھ زر کے حجم مین بھی ہوجایا کرے، یہ صورت اسوقت ممکن ہوگی اگر قیمت زر اسکی دہات کی قدر کے برابر ہو، بحالت زر وضعی یہ ہونا غیر ممکن ہے، اگر دہات کی قیمت روپیہ کی قیمت کے برابر ہوگی تو جبوقت مقدار زر زیادہ ہوگی لوگ روپیہ گلا ڈالین گے، اگر دہات کی قیمت روپیہ کی قیمت کے برابر نہ ہوگی تو یہ صورت غیر ممکن ہے،

افعال زر مین ہم یہ بھی لکہ چکے ہین کہ وہ خزینۃ القدر کا کام دے، اس طریقہ مین لوگ صرف وہ روپیہ جمع کرینگے جسکی قیمت فلزاتی اسکی قیمت زر سے کم نہو، زر وضعی ہرگز جمع نہ کرینگے، انکو ہمیشہ اشتباہ رہیگا کہ آیندہ زر وضعی کی قیمت کیا ہوگی، ہندوستان مین ساورن کی مانگ خزینۃ القدر کے لئے ہے یعنی جمع کرنے کے لئے ہے اور روپیہ پر بے اطمینانی بھی ظاہر کرتی ہے،

ہم نے مختصر طور پر اسکی خوبیان اور چند اعتراضات لکہدیئے، اسکی مفصل بحث کی گنجائش اس مضمون مین نہین ہے، چونکہ ہندوستان پر اس طریقہ کے خاص اثرات پڑے ہین، اسلئے بعد تحقیقات کمیشن جو حال مین چاندی کی قیمت بڑہجانیکی وجہ سے مقرر ہوا ہے، ہم اس طریقہ کے معائب کافی شرح وبسط کے ساتھ لکہین گے۔

زرِ کاغذی

ہم نے اقسام زر مین لکھا ہے کہ زر کاغذی وہ ہے جو سلطنت یا کسی بنک کے اعتبار پر کسی ملک مین رائج ہون اور عام طور پر لوگ اُسپر اعتماد رکہتے ہون اور مبادلہ مین قبول کرتے ہون، اب زر کاغذی کے اقسام اور اسکے استعمال کے فوائد ونقصانات مختصر طریقہ پر لکہتے ہین۔

زرِ کاغذی تین قسم کا ہوتا ہے، نیابتی[1] زرِ کاغذی، اعتباری[2] یا بدل پذیر زرِ کاغذی، رسمی[3] یا غیر بدل پذیر زرِ کاغذی

1- Representative paper money, (2) Convertible, Redeemable, or Fiduciary paper money, (3) Fiat, Inconvertible, Irredeemable, or conventional paper money.

۱- نیابتی زرِ کاغذی، اس زر فلزاتی کی رسید ہوتی ہے جو سرکاری خزانہ یا بنک مین جمع کیا جاتا ہے جیسے امریکہ کے پروانہ طلا ونقرہ۔

یہ مثل زر فلزاتی کے ہوتا ہے اور ہر جگہ قبول کیا جاتا ہے کیونکہ اسکے پیش کنندہ کو ہر وقت رقم مندرجہ نیابتی زرِ کاغذی مل سکتی ہے، اور اجرا کنندہ کو زر فلزاتی کی ٹہیک اسیقدر رقم محفوظ ہر وقت موجود رکہنا پڑتی ہے جو نیابتی زرِ کاغذی مین درج ہوتی ہے،

۲- اعتباری یا بدل پذیر زر کاغذی وہ نوٹ کہلاتے ہین جو سرکار یا بنک کی طرف سے اس وعدہ پر جاری ہوتے ہین کہ انکے پیش کنندہ کو بوقت مطالبہ فوراً زر فلزاتی بقدر مندرجہ نوٹ ادا کردیئے جائین گے۔

یہ نوٹ چونکہ گورنمنٹ یا بنک کے اعتبار پر چلتے ہین اسلئے وہ ہر وقت نہین بہنتے ہین بلکہ عام طور پر دادوستد خرید وفروخت مین چلتے رہتے ہین، انکی ادائی کے واسطے اجرا کنندہ کو زر فلزاتی کی رقم محفوظ اجرا شدہ نوٹ کے مقابلہ مین کم رکہنا پڑتی ہے، جیسے ہندوستان کے نوٹ سمجھے جاتے ہین اور انگلستان کے بنک کے نوٹ انکی ادائی کے لئے پوری رقم رکہنے کی ضرورت نہین،

۳- رسمی یا غیر بدل پذیر زرِ کاغذی، وہ نوٹ کہلاتے ہین جنکے پیش کرنیوالے کو بوقت مطالبہ زر فلزاتی بقدر مندرجہ نوٹ نہین مل سکتے ہین، اور ان نوٹ کو سرکار اپنے حکم سے جاری کرتی ہے انکی دو قسمین ہین، ایک تو وہ ہین جو شروع سے غیر بدل پذیر ہوتے ہین، دوسرے وہ ہین جو ابتدا مین بصورت بدل پذیر جاری کئے جاتے ہین مگر بعد کو غیر بدل پذیر ہوجاتے ہین جیسے فرانس کے دور انقلاب کے اسیگنیٹ (Assignats) اور انگلستان کے بنک کے نوٹ از ۱۷۹۷ء تا ۱۸۰۹ء اور امریکہ کے گرین بیگ (Greenbacks) جو امریکہ نے سول وار کے زمانہ مین جاری کئے تھے۔

زرِ کاغذی کے فواید

زرِ کاغذی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی ملک مین زر فلزاتی کافی تعداد مین موجود ہون اور زر کاغذی چلایا جائے توجسقدر زر کاغذی زر فلزاتی کے بجائے مستعمل ہوگا اسقدر زر فلزاتی ملک کی صنعت و حرفت مین صرف ہو سکیگا، یا ممالک خارجہ سے اشیا خریدنے مین کام آیگا، اگر کل ممالک بالاتفاق زر کاغذی استعمال کرنے لگین توجسقدر محنت اور روپیہ قیمتی دہاتون کے نکالنے مین صرف ہوتا ہے وہ کسی مفید کام مین صرف ہونے لگے -

زرِ کاغذی کے آلہ مبادلہ ہونے سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جسقدر نقصانات زر فلزاتی کے گھسنے سے ہوتے ہین وہ نہونگے، اسکے علاوہ بڑی رقمون کا زر کاغذی سے ادا کرنا بمقابلہ زر فلزاتی کے زیادہ آسان ہے اور کسی دور دراز مقام مین رقم کثیر کا زرِ کاغذی مین لیجانا زیادہ آسان اور کم خرچ ہے یہ سب زرِ کاغذی فوائد اقتصادی ہین -

اسکا مالی فائدہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کو جو کچھ رقم سود مین قرض لینے کی وجہ سے دینا پڑتی ہے نہ دینا پڑیگی یعنی بقدر ضرورت، بجاے قرض لینے کے وہ زرِ کاغذی جاری کردے اور سود سے محفوظ ہوجاے، اسکے علاوہ گورنمنٹ کو آمدنی بغیر ٹکس لگاے ہوجاتی ہے، یہ طریقہ اگر وہ سلطنتین اختیار کرتی ہین جنکی ساکھہ خراب ہوجاتی ہے اور انکو قرض بڑی شرح سود پر ملتا ہے، اس سلسلہ مین ہم اقتصادیات کے ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتے ہین وہ یہ ہے کہ کیا اجراے زرِ کاغذی دولت پیدا کرنے کے مترادف ہے، اسکی بحث اگرچہ نہایت دلچسپ ہے، لیکن اس مضمون مین اسکی گنجائش نہین مختصراً اسکی بابت یہ خیال پہلے تھا کہ جسقدر نوٹ جاری کئے جاتے ہین اُسیقدر دولت پیدا ہوجاتی ہے اب اس خیال کی غلطی ظاہر ہوگئی ہے اور یہ خیال صحیح سمجہا جاتا ہے کہ جسقدر زر فلزاتی کے بجاے گردش مین زر کاغذی استعمال ہوتا ہے اسیقدر دولت پیدا ہوجاتی ہے، اگر کسی ملک مین ایک

کرور روپیہ چلن مین ہو، اور نوٹ جاری کرنیکی وجہ سے ۲۰ لاکھہ روپیہ چلن سے نکل کر ملکی صنعت و حرفت اور زراعتی کامون مین یا ممالک خارجہ سے اشیاء خریدنے مین صرف ہوا ہے، تو ملک مین بقدر ۲۰ لاکھہ کے دولت مین اضافہ ہوگیا،

نقائص زر کاغذی

زر کاغذی کے استعمال مین چند نقائص بھی ہین، پہلا تو یہ ہے کہ زر کاغذی کی قیمت مین ثبات بمقابلہ زر فلزاتی کے کم ہوتا ہے، چونکہ اجراء زر کاغذی گورنمنٹ کی مرضی یا پالیسی پر موقوف ہوتا ہے، اِسلئے گورنمنٹ اکثر زیادہ تعداد مین نوٹ جاری کردیتی ہے جسکی وجہ سے اسکی قدر گھٹ جاتی ہے زر فلزاتی مین چونکہ بوجہ مصارف کانکنی وغیرہ رسد مین بآسانی زیادہ اضافہ نہین ہوتا ہے اسلئے اسکی قدر نہین گھٹتی ہے،

(۲) زرِ کاغذی کی بنیاد بہت ضعیف ہوتی ہے، یعنی سلطنت کے نفاذ قانون کی وجہ سے زرِ کاغذی کی قیمت ہوتی ہے، اگر سلطنت مالی مشکلات کی وجہ سے دوسرا قانون نافذ کرکے نوٹ کا رواج بند کردے تو زرِ کاغذی ردی کاغذ سے بھی بدتر ہوجاے، زر فلزاتی کی قیمت چونکہ اسکی دہات کی وجہ سے ہوتی ہے، اِسلئے اگر گورنمنٹ قانوناً کسی زر فلزاتی کا رواج بند کردے تو بھی اسکی قیمت فلزاتی باقی رہیگی،

(۳) زرِ کاغذی مین چونکہ قدر ذاتی نہین ہوتی ہے، اِسلئے وہ صرف اندرون ملک کی چلن مین استعمال ہو سکتا ہے، مبادلہ خارجہ مین نہین قبول کیا جائیگا، زر فلزاتی اپنی دہات کی قیمت کے حساب سے ہمیشہ قبول ہوگا،

اگر مختلف ممالک مل کر کوئی خاص قسم کا زر کاغذی جاری کرین جسکو سب قبول بھی کرین اور اسکا اجراء بھی کسی خاص اصول کا پابند ہو تو شاید یہ معائب کم ہوجائین جسکی اُمید کم معلوم ہوتی ہے،

(باقی)

چارلس ڈارون

(از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین)

یورپ کے بڑے بڑے اہل کمال نے مختلف شعبون مین اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہین، مارٹن نے ایتھر کا اکتشاف کیا ہے، فرنکلن نے چھاپہ ایجاد کیا ہے، ہیمفس نے ٹیلیفون بنایا ہے، لوٹس موبار نے ہوائی جہازون مین حرکت پیدا کی ہے، اور انکے پر ایجاد کئے ہین، نیوٹن نے علم الافلاک اور طبیعیات جدیدہ کی بنیاد رکھی ہے، لیکن ڈارون وہ ہے جس نے موجودہ دور علمی کو پیدا کیا ہے، اور اس بنا پر اسکو تمدن یورپ مین جو درجہ حاصل ہے کسی کو حاصل نہین،

ولادت اور سن رشد | ڈارون انگلینڈ کے شہر شروزبری (Shrewsbury) مین ۱۲ فروری ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوا، ۸ سال کا تھا کہ جولائی ۱۸۱۷ء مین اسکی مان نے انتقال کیا، اسی سال وہ ایک مدرسہ مین داخل ہوا جہان وہ سال بھر تک پڑھتا رہا، وہ پڑھنے لکھنے مین زیادہ تیز نہ تھا، البتہ تاریخ طبیعی کا شروع سے دلدادہ تھا، اسی بنا پر کثرت سے مختلف قسم کے نباتات سیپ، آبی جانور اور سکے جمع کیا کرتا تھا، اور یہ بات اسکے بھائی بہنون مین نہ تھی، چنانچہ ایکمرتبہ اس نے اپنے دوستون کے مجمع مین دعوی کیا تھا کہ "مین مختلف رنگ کے نباتات رنگین سوائل ست سینچکر پیدا کر سکتا ہون"، اسی طرح اس نے ایک مرتبہ اپنے باپ کے بہت سے درخت غائب کردیئے اور پھر اپنے احباب مین دوڑ دوڑ کر یہ خبر مشہور کی کہ مین نے ان درختون کا پتہ لگالیا۔

اسکو چڑیون کے انڈے جمع کرنے کا بہت شوق تھا، اور ہر گھونسلے سے ایک انڈا نکالتا تھا

لیکن ایک مرتبہ شرارت سے سب انڈے نکال لئے اور گھونسلا بالکل خالی کردیا،

اسکو غسل کا بہت شوق تھا اور چار برس کے سن سے دریا مین نہانے جاتا تھا اسی وجہ سے اسکو دریائی شکار کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ گھنٹون دریا کے کنارے بیٹھا ہوا ماہی گیرون کا تماشا دیکھتا تھا، ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ پانی اور نمک سے کیڑے مرجاتے ہین، چنانچہ اس تجربہ کیلئے اس نے ہزارون کیڑے مار ڈالے، ایک مرتبہ ایک کتے کا پلا نظر پڑا تو اسکو دیر تک مارتا، اور اسکی سخت جانی کا تجربہ کرتا رہا،

۱۸۱۸ء مین وہ ایک کالج مین بھیجا گیا جہان وہ ۱۸۲۵ء تک پڑھتا رہا، اسوقت اسکا سن ۱۶ برس کا تھا، اور اگرچہ اسکا گھر بالکل قریب تھا تاہم وہ بورڈنگ مین رہتا تھا اور گھر آتا جاتا تھا، یہان اس نے دوڑنے کی خوب مشق کی تھی،

اس زمانہ مین اسکو تنہائی بہت محبوب تھی اور وہ اکثر کسی نکسی خیال مین محو رہتا تھا یہانتک کہ بسا اوقات اسکو یہ بھی پتہ نہین لگتا تھا کہ وہ کہان جارہا ہے؟ چنانچہ ایک مرتبہ وہ ایک بلند مقام سے گذر رہا تھا جسکے آگے نشیب تھا، جب نشیب آیا تو چونکہ اسکو مطلق خبر نہ تھی اسلئے اسمین گرپڑا۔

اس کالج مین چونکہ ادب زیادہ اور تاریخ وجغرافیہ کم پڑھایا جاتا تھا، اسلئے اس نے عقلی ترقی کے لئے اچھا موقع پایا، لیکن لغت وغیرہ مین اپنے ساتھیون سے بہت پیچھے رہا، یہان اشعار بھی کہلائے جاتے تھے، اور یہ اسکے لئے اتنی بڑی مصیبت تھی کہ وہ کسی طرح اسکو برداشت نہین کرسکتا تھا اسلئے ساتھیون سے قدما کے اشعار جمع کراتا اور انکو کاٹ چھانٹ کر اپنا کرلیتا تھا، لیکن بعد مین وہ نظم پر قادر ہوگیا اور ہر موضوع پر لکھنے لگا،

یہان اشعار زبانی یاد کرائے جاتے تھے اور انکو وہ آسانی سے حفظ کرلیتا تھا، چنانچہ وہ ہومر کے ۴۰، ۵۰ شعر صبح کو یاد کرتا لیکن ۴۸ گھنٹے کے بعد بھول جاتا تھا، اسکو اگرچہ شعر وسخن سے بالکل دلچسپی نہ تھی

تاہم کرنی (Corneille) کی نظم کو جو فرانسیسی زبان مین ہو اس کے واقفہ کے متعلق تھی گو بہت پسند کرتا تھا،

وہ پڑہنے لکھنے مین اگرچہ بہت محنت کرتا اور اپنی جماعت مین متوسط درجہ کا طالبعلم شمار ہوتا تاہم اسکے باپ اور اساتذہ اسکو نہایت حقارت سے دیکھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اسکے باپ نے کہا کہ تم کو صرف شکار کرنا، کتے پالنا اور چوہے جمع کرنا آتا ہے، اور مین سمجھتا ہون کہ تم ننگ خاندان ہوگے پڑہنے کے زمانہ مین وہ مسائل پر غور کرتا اور جب کوئی مسئلہ حل ہو جاتا تو بہت خوش ہوتا تھا چنانچہ اقلیدس کے براہین ہندسی اسکو زبانی یاد تھے اور وہ انکو سمجھکر بہت مسرور ہوتا تھا، اسی طرح بارومیٹر (قیاس میزان الہوا) کے مشکل مسائل جب حل کئے تو بہت خوش ہوا،

پڑہنے کے علاوہ اسکو کتب بینی کا بھی بہت شوق تھا، چنانچہ کالج کے لائبریری مین گھنٹون کھڑے کھڑے شکسپیر، ٹامسن، بریرین اور اسکاٹ کی کتابین دیکھا کرتا تھا، لیکن چونکہ اسکو اشعار سے بالکل دلچسپی نہ تھی اسلئے بھول جاتا تھا،

اکتوبر ۱۸۲۵ء مین اسکے باپ نے اس کالج سے نکال کر اسکو اڈنبرگ یونیورسٹی مین داخل کرایا یہان اس نے دو برس تک طب وغیرہ کی تحصیل کی، لیکن چونکہ اساتذہ کے لکچر بہت معمولی اور سطحی ہوتے تھے اسلئے اسکو یہان کی تعلیم پسند نہ تھی لسی بناپر وہ نباتات اور تشریح کے استادون سے خاص طور پر نفرت رکھتا تھا، البتہ کیمیا کا لکچر اچھا ہوتا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ وہ سرے سے اس نظام تعلیم ہی کا مخالف اور لکچر کے بجاے کتاب کے مطالعہ کو ترجیح دیتا تھا، اس بناپر وہ اس کالج سے بالکل کورا نکلا کیونکہ وہ طب کو بالکل بیکار اور اپنی آیندہ مشاغل کے منافی سمجھتا تھا، اگرچہ ابتدا مین اسکو مُردون کی چیر پہاڑ اور بیمارون کے علاج سے خاص شغف تھا، اور اسکے باپ نے اسکے طبیب حاذق ہونے کی پیشینگوئی بھی کردی تھی، تاہم چونکہ اب اسکا احساس نہایت لطیف ہوگیا تھا، اسلئے اسکو چیر پہاڑ کے کمرہ مین

جاتے ہوے گھن معلوم ہوتی تھی، اور چونکہ اس زمانہ تک بیہوشی کی دوا لوگون کو نہین معلوم تھی اس لئے مریضون کی چیر پہاڑ مین سخت دقت پڑتی تھی اور ڈارون انکی تکلیف کو دیکھ نہین سکتا تھا،

یہ دیکھکر اسکے باپ نے الٰہیات پڑہانے کا فیصلہ کیا لیکن چونکہ کالج چھوڑنے کے بعد سے اس نے ادب کی ایک کتاب بھی نہین دیکھی تھی اور وہ ان علوم حتی کہ یونانی زبان کو بھی بالکل بھول گیا تھا اور یونیورسٹی مین داخل ہونے کے لئے ان چیزون کے یاد ہونے کی ضرورت تھی اسلئے اس نے کچھ عرصہ تک گھر رہ کر ایک استاد سے ادب کی کتابین پڑہین، اور یونانی زبان سے ترجمہ کرنے کی مشق کی، اور ۱۸۲۸ء مین جب وہ داخلہ کے قابل ہوگیا تو کیمبرج یونیورسٹی مین اپنا نام لکھایا لیکن یہان بھی اسکا تین برس کا قیام بالکل بیکار ثابت ہوا، اسی زمانہ مین اسکو ریاضی کا شوق پیدا ہوا اور اسکے لئے اس نے لبارمتھ کا سفر کیا اور ایک مخصوص استاد سے اسکی تحصیل کی لیکن ریاضی کے قواعد اسکے سمجھ مین اچھی طرح نہین آئے اور جبر و مقابلہ کے اصول کو وہ لغو سمجھتا رہا۔

یونیورسٹی کے ادبی لکچرون مین بھی براے نام شامل ہوا، اخیر سال مین البتہ ڈگری حاصل کرنے کے لئے اس نے زیادہ محنت کی، اور اسکا یہ خیال ایک کتاب دیکھکر اور قوی ہوا، یہ کتاب عیسائی مذہب کی بعض تعلیمات اور اسکے فلسفۂ اخلاق پر تھی، اور چونکہ اسکا پیرایہ بالکل منطقی تھا اس لئے ڈارون کو اسکے مباحث سے خاص دلچسپی تھی، اس کتاب کے دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ نہایت صحیح طریقہ سے ہر چیز کی دلیل بیان کر سکتا تھا اور چونکہ اسکو اس نے نہایت غور سے پڑہا تھا اور الفاظ کے بجاے معانی پر زیادہ توجہ کی تھی، اسلئے خیالات کی ترتیب و تہذیب کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ آنرز سے پاس ہونے والون کے علاوہ وہ اپنی جماعت مین کسی سے کم نہین رہا،

یہان مختلف عنوانات پر لکچر دیئے جاتے تھے، اور ان مین طلبہ کی شرکت لازمی تھی لیکن ڈارون بہت سے لکچرون سے غائب رہتا تھا، ایک پروفیسر جو جیالوجی پر لکچر دیتا تھا بہت بڑا ادیب بھی تھا

اور اسلئے اسکے لکچرون مین مسائل کے علاوہ ادب کی بھی چاشنی ہوتی تھی، ڈارون اسکے لکچرون مین بہت کم شریک ہوا، حالانکہ اگر وہ انکو غور سے سنتا تو طبقات الارض کا بہت بڑا عالم ہوتا اسی طرح پروفیسر ہنزلو نباتات پر نہایت مکمل لکچر دیتا تھا، اور طلبہ کو جنگلون میدانون، وادیون اور نہرون کے کنارہ لیجاتا، اور وہان انکو عجیب وغریب شکلون کے حیوانات اور نباتات کا مشاہدہ کراتا تھا، یہ سفر اگرچہ نہایت پرلطف ہوتے تھے تاہم ڈارون اسکے لکچرون اور سفرون مین کم شریک ہوا، اور اگرچہ یہان اسکو تحصیل علم کے بہت سے مواقع حاصل تھے تاہم وہ سیر وشکار اور شہسواری مین اپنا وقت ضایع کرتا رہا، جس سے ایک طرف تو تعلیم کا نقصان ہوا اور دوسری طرف سوسائٹی کے اثر سے اسکا مذاق پست ہوگیا، کیونکہ اسکے احباب عموماً کھیل کود سیر وتفریح، اکل وشرب، اور تاش کھیلنے مین اپنا وقت ضایع کیا کرتے تھے،

لیکن اسکے ساتھ ہی اسکے بعض ایسے دوست بھی تھے جنکی وجہ سے اسکو فنون لطیفہ کا ذوق پیدا ہوا، چنانچہ "وہٹلی" نے اسکو تصویر کشی کی طرف راغب کیا، جس سے آگے چل کر اسکو عجائب خانون مین جانے اور تصویرون کے حسن وقبح پر بحث کرنے کا شوق پیدا ہوا، اسی طرح ہربرٹ نے اسکو موسیقی کی طرف مائل کیا جس سے اسکو اپنی انفعالی قوت کے اندازہ کرنیکا موقع ملا،

بقیہ زندگی ان باتون نے اگرچہ اسکو علمی ترقیون سے محروم کردیا تھا تاہم چونکہ وہ اب ہر چیز پر نہایت گہری نظر ڈالنے لگا تھا اسلئے قوت استنباط بہت تیز ہوگئی، اور اسکا دماغ باریک بینی اور نکتہ آفرینی کا عادی ہوگیا، اس بنا پر اس نے اپنے خیالات کے ظاہر کرنے کے لئے تصنیف کا میدان تلاش کیا لیکن دقت یہ تھی کہ ابھی وہ اسپر اچھی طرح قادر نہ تھا، اسلئے جملون کی ترکیب، الفاظ کی نشست اور کلام کی ترتیب مین اسکا سارا وقت ضایع ہوجاتا تھا، اور بہت سے خیالات دماغ سے نکل جاتے تھے، اس بنا پر اس نے ایک کتاب مین اشارات لکھنے شروع کئے، جنکو اوقات فرصت مین وہ مضمون کی صورت مین مرتب کرتا، اور اسکی عبارت کو درست کرتا تھا،

تصنیف کے لئے وسعت مطالعہ نہایت ضروری شے ہے، اور اسکا ڈارون نے یہ طریقہ نکالا تھا کہ جو کچھ دیکھتا اسکو نہایت ترتیب سے یاد رکھتا، اور ہر بحث کے شروع مین چند ایسے جملے لکھدیتا جو تمام بحث کا خلاصہ ہوتے تھے، انہین جملون سے وہ اپنی تصنیفات مین کام لیتا تھا چنانچہ اسکی کتابون کو پڑھکر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرون کی معلومات کو اپنی مباحث کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے، وہ کتابون کے آخر مین مضامین کی ایک فہرست لگاتا تھا، جس سے اسکو حوالون کے نکالنے مین آسانی ہوتی تھی، اور ہر مسئلہ کے متعلق اپنی راے لکھتا تھا جس سے تصنیف کے وقت اسکو مدد ملتی تھی،

عمر کے آخری ۲۰ - ۳۰ برس مین اسکو اشعار سے بالکل رغبت نہین رہ گئی تھی، اور وہ ایک شعر کے پڑھنے پر بھی قادر نہین رہا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ شکسپیر کی تصنیفات دیکھنے کا ارادہ کیا تو سستی مانع ہوئی اور اس خیال سے باز آیا، اسی طرح تصویر کشی اور موسیقی سے بھی طبیعت پھر گئی اور مناظر فطرت کے دیکھنے سے جی اکتا گیا، اور اسکے بجاے اسکو ناول اور ڈرامے کا شوق پیدا ہوا لیکن ان مین وہ صرف ان کتابون کو پسند کرتا تھا جنکا لب ولہجہ معتدل ہو، اور مبالغہ سے خالی ہون جن افسانون کی ٹریجڈی افسوسناک واقعات پر ختم ہوتی تھی انکو وہ سخت ناپسند کرتا تھا، اسی طرح اسکو اور فنون جمیلہ سے بھی دلچسپی نہین رہی تھی، کیونکہ اب اسکی عقل صرف ایک ایسا آلہ رہ گئی تھی جسکے ذریعہ وہ اپنے تخیلات کو چند کلیات کے گرد گردش دیا کرتا تھا،

وفات ان دماغی اشتغال نے اگرچہ اسمین صفات عقلیہ کا ایک گوناگون عالم پیدا کردیا تھا، اور اسمین حب علم، وقت نظر، ملکۂ اجتہاد، اور اصابت راے جیسے ضروری اوصاف پیدا ہوگئے تھے، تاہم اب وہ صحت جسمانی سے بالکل محروم ہوگیا تھا چنانچہ عمر کے آخری حصہ مین سخت بیمار پڑا جس سے اسکے تمام علمی مشاغل بند ہوگئے، اور اسکی بیوی کو تصنیف و تالیف مین اسکی مدد کرنا پڑی اس

زمانہ مین وہ اکثر اپنے باپ کا تذکرہ کرتا، اور اپنے لئے اسی قسم کی صحت کا خواستگار رہتا، لیکن انسان کی بہت سی تمنائین پوری نہین ہوتین، بلکہ قبر تک اسکے ساتھ جاتی ہین، اسلئے وہ بھی اس تمنا کے ساتھ ۱۸۸۲ء مین خاک کے سپرد کردیا گیا، اسوقت اسکی عمر ۷۳ برس کی تھی،

اولاد ڈارون کی اولاد کی تفصیل معلوم نہین، صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک لڑکے کا نام فرنسیس ڈارون تھا جس نے ۱۸۸۷ء مین اپنے باپ کی لائف لکھی اور خطوط جمع کئے،

فضل وکمال ڈارون بہت سے علوم کا ماہر تھا، کالج کی زندگی مین اُس نے انگریزی زبان کے علاوہ یونانی اور فرنچ زبانین بھی سیکھی تھین، اور علوم ادبیہ، جغرافیہ قدیم، تاریخ قدیم، شعر، اقلیدس، طب، کیمیا، تشریح، الٰہیات، ریاضی، جبر ومقابلہ، فلسفہ اخلاق، جیالوجی، علم النبات، بیالوجی، تصویرکشی، موسیقی وغیرہ مین کمال حاصل کیا تھا، ان مین سے اسکو تاریخ طبیعی کا بچپن سے شوق تھا، جو اخیر عمر تک قائم رہا، علوم ریاضیہ اور مادرا الطبیعۃ سے اسکو کبھی دلچسپی نہ تھی، اور اسلئے اسمین کامیاب نہین ہوا، شعر وسخن سے اسکو ابتداءً بالکل ذوق نہ تھا، لیکن بعد مین یہ حالت ہوئی کہ جب ۱۸۲۳ء مین ویلس کا سفر کیا اور اسکے مناظر سامنے آئے تو اسکی قوت تخئیل مین دفعتہً ایک ہیجان پیدا ہوگیا، لیکن بعد مین پھر اگلی حالت عود کرآئی اور شعرا کے تمام اشعار صفحۂ دل سے محو ہوگئے، موسیقی اور تصویرکشی کا بھی یہی حشر ہوا۔

تصنیفات ڈارون کی سب سے مشہور اور معرکۃ الآرا تصنیف "اصل الانواع" ہے جسمین اس نے اس انداز سے بحث کی ہے جسکی اس سے بالکل امید نہ تھی، کیونکہ لوگون کا اسکے متعلق یہ عام خیال تھا کہ وہ حقائق اشیا کا نہایت صحیح مطالعہ کرتا ہے، لیکن اُنکے علل واسباب کو اچھی طرح بیان نہین کرسکتا، اس کتاب کے دیکھنے سے یہ خیال بدل جاتا ہے کیونکہ اسمین اس نے اصابت رائے اور ایجاد واجتہاد کا نہایت عجیب وغریب منظر پیش کیا ہے جسکو علما کی ایک بڑی تعداد نے تسلیم بھی کرلیا ہے،

ایک تصنیف "الحیوانات الصدفیۃ" ہے، اسمین اس نے ان حیوانات سے بحث کی ہے جو

آبی پتھر دان کی چٹانون مین رہتے ہین اس کتاب کے شروع مین اس نے مقدمہ کے طور پر چند باتین بیان کی ہین اور انہین پر اپنے مضمون کی بنیاد رکھی ہے، یہ طریقہ ڈارون کے عام انداز تصنیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ وہ عموماً تقلید کے قید وبند سے آزاد رہنے کے لئے اپنے اصول مین تبدیلی پیدا کرتا اور قدما کی تقلید کو ناپسند کرتا ہے،

ایک تصنیف اسکی خودنوشت سوانحعمری ہے جس سے ہمنے اس مضمون مین فائدہ اٹھایا ہے،

ابتدائی تصنیفات مین ہومر کے اشعار اور انجیل مقدس کا ترجمہ ہے جو اس نے یونانی زبان سے انگریزی مین کیا تھا۔

اسکے علاوہ اسکے پاس مضامین کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع رہتا تھا جنکی تعداد ۴۰ کے قریب تھی اور وہ مختلف عنوانات پر مشتمل تھے، چنانچہ جب اسکو کسی موضوع پر لکھنے کی ضرورت پیش آتی، تو ایک مرتبہ انکا مطالعہ کرلیتا تھا،

ڈارون نہایت کامیاب مصنف تھا، چنانچہ اسکی تمام تصنیفات اسکی زندگی ہی مین انگلستان اور تمام یورپ مین پھیل گئی تھین،

اخلاق وعادات ڈارون نہایت مذہبی آدمی تھا، وہ چھوٹی چھوٹی باتون مین بھی خدا کا خیال رکھتا تھا، چنانچہ طالب العلمی کے زمانہ مین جب گھر سے دوڑکر کالج تک جاتا اور وقت پر پہنچتا تو اسکو خدا کا فضل وکرم سمجھتا تھا، وہ خود کہتا ہے کہ "مین خدا کی نماز پڑھتا اور اس سے مدد مانگتا تھا، اور مجھے اپنی نماز کی مقبولیت پر بڑا تعجب ہوتا اور مین اپنی سعی وکوشش کو تیز دوڑنے کے بجاے خدا کی طرف منسوب کرتا تھا۔"

وہ اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھتا اور اسکا پابند رہتا تھا،

فطرتاً نہایت رحمدل تھا، چنانچہ جب طبی کالج مین تعلیم پاتا تھا تو ایک دن دو شخصون پر عمل جراحی کیا گیا چونکہ اسوقت تک بیہوشی کی دوا نہین ایجاد ہوئی تھی اور چیر پھاڑ مین مریض کو سخت تکلیف

ہوتی تھی، اسلئے ڈارون اس کمرہ کو چھوڑکر بھاگ گیا، اور پھر کبھی جراحی کے وقت نہین آیا"

نہایت سادہ دل اور نیک مزاج تھا، چنانچہ ایک مرتبہ ایک ساتھی نے اسکو ہمراہ لیکر ایک دوکان سے کیک خریدا اور دام ادا کئے بغیر وہان سے چلدیا، ڈارون نے سبب پوچھا تو بولا کہ میرے چچا نے ایک بڑی رقم اس غرض سے وقف کر رکھی ہے کہ جولڑکا انکی پرانی ہیٹ پہن کر اسکو ایک خاص انداز سے حرکت دیگا تو اسکو ہر دوکان سے مفت چیزین ملاینگی اور دوکاندار اس سے قیمت کا مطالبہ نہین کریگا، اسکے بعد اس نے ہیٹ ہلاکر دکھائی اور دوسری دوکان پر جاکر ایک اور چیز خریدی، ڈارون اسکی باتون مین آگیا اور جب اس نے ہیٹ دیکر اسکو بعض چیزون کے خریدنے کے لئے بازار بھیجنا چاہا تو فوراً راضی ہوگیا، چنانچہ ایک دوکان سے جاکر کیک خریدا اور قیمت ادا کئے بغیر وہان سے چلنے لگا، چونکہ دوکاندار اس سے بالکل ناواقف تھا اسلئے اس نے ڈارون کو پکڑکر اس طرح دبوچا کہ اسکو اپنی جان کا خوف لاحق ہوگیا، اور وہ کیک کو وہین چھوڑکر بے تحاشا بھاگ نکلا، یہان اسکا دوست اس مذاق سے لطف اٹھارہا تھا، ڈارون پر نظر پڑی تو بے ساختہ ہنسنے لگا،

ڈارون، ہکسلے کی طرح ذکی، فطین، طباع اور روشن دماغ نہ تھا، چنانچہ اسکے سامنے کوئی کتاب یا مضمون پڑھا جاتا تو وہ نہایت متاثر ہوتا لیکن اسپر تنقید نہین کرسکتا تھا، اسی طرح وہ بہت دیر تک کسی خاص مسئلہ مین منہمک نہین رہ سکتا تھا، لیکن بااین ہمہ جب کوئی رائے قائم کرتا تو اسمین اسقدر جدت، ندرت اور صحت ہوتی تھی جو بہت کم لوگون کو حاصل ہوتی ہے چنانچہ اس وصف کی نسبت خود کہتا ہے کہ "مین اس پر کی طرح نہین ہون جو ہوا کے جھونکون مین ٹہر نہین سکتا"۔

غور و فکر کا عادی تھا، ہر چیز پر نہایت عمیق نظر ڈالتا اور تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔

حریفون سے سبقت لیجانے کا خیال اسکو ہمیشہ رہا کرتا تھا چنانچہ خود لکھتا ہے کہ "مجھکو ہمیشہ یہ خیال رہا کہ علمائے طبیعین مین کسی طرح ایک بلند درجہ حاصل کرلون"۔

مترجمات

محمد تغلق کا طرز حکومت

(۳)

(از پروفیسر گارڈنر براؤن)

چودھون صدی عیسوی مین اس عقیدہ کی نہ صرف ایک متعین بلکہ ایک مقتدر جماعت بھی موجود تھی، اور مسلمانان ہند کی تمام آبادی سے اسے پوری تائید کی توقع تھی، کہ یہ لوگ دارالحرب کے باشندے تھے، اور بیرونی اسلامی ممالک کے طرز عمل سے قطعاً ناواقف تھے، تاہم ابھی تک مذہبی جماعت کو اتنا غلبہ نہین حاصل ہوا تھا کہ نظم و نسق اور مہمات سلطنت کی باگ اسکے ہاتھ مین آجائے، زیادہ تر اس بنا پر کہ عموماً امرائے سلطنت نہ متعصب تھے نہ چندان راسخ العقیدہ اور انکی ہمدردیان بادشاہ کے ساتھ تھین، جیسے مالی معاملات مین اب تک ایک بڑی حد تک آزادی حاصل تھی، مگر انہین مخالف بنانے کے لئے صرف اتنا کافی تھا کہ انکے مخصوص منافع پر بادشاہ ایک مرتبہ ہاتھ ڈال دے،

مذہبی گروہ کے جو کچھ بھی مزعومات و معتقدات تھے، محمد تغلق کا طرز عمل ہر شے مین انکے مخالف تھا[1] بعض صورتون مین اُس نے حکمرانان سابق کی تقلید کی، اور بعض معاملات مین اسنے

---

[1] معارف، انگریز مورخین جنھون نے ہندوستان کی ہمدردانہ اسلامی تاریخین لکھی ہین اور ان بادشاہون کی حمایت و طرفداری کا جو بدنام سمجھے جاتے ہین عجیب طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ "درحقیقت وہ بادشاہ برے نہ تھے بلکہ اصل مین وہ جس مذہب کے پابند تھے وہ اچھا نہ تھا اور چونکہ وہ دیندار تھے اسکے احکام سے انحراف نہ کرسکے" لین پول صاحب جنھون نے عالمگیر کی مدافعت مین بہت کچھ کوشش کی ہے انکا بھی اس حملہ مین کارگر ہتھیار یہی ہے پروفیسر گارڈنر براؤن نے بھی محمد تغلق کی حمایت مین اسی طرز استدلال کو اختیار کیا ہے۔

بالکل جدید راستہ اختیار کیا، وہ جانتا تھا کہ تخت کی عظمت و وقعت برقرار رکھنے کے لئے نمائ
شان و شوکت ازبس ضروری ہے کچھ تو اس خیال سے اور کچھ اس بنا پر بھی کہ وہ سلطنت کی
مرفہ الحالی اور جدید اصلاحات کا خلوص کے ساتھ خواہشمند تھا، علاء الدین کی طرح وہ بھی اس
امر پر آمادہ نہین ہو سکتا کہ محاصل سلطنت کو چار شرعی طریقون پر محدود رکھے، اسلئے اُس نے
لامحالہ انکے علاوہ اہل حرفہ اور پیشہ ورون پر ٹیکس جاری رکھے، اور شاید بعض جدید ٹیکس بھی
نکالے، گو اسکی کوئی خاص شہادت موجود نہین، اس سلسلہ مین ہمین بالتشریح معلوم ہو چکا ہے کہ
دوآب مین جب اس نے خراج دُگنا کیا ہے تو کیسی سخت برہمی پیدا ہوئی،

رہا ہندو رعایا کے ساتھ برتاؤ، ان پر سختی و سخت گیری کیسی؟ اس نے اکبر کے قبل ہی ایکطرف
توستی کی رسم کو مسدود کرایا، دوسرے ہندو راجاؤن کو اعلیٰ جنگی مناصب اور دیگر قابل ہندوؤن
اعلیٰ ملکی خدمات پر فائز کرنا شروع کر دیا، سب سے بڑھکر شاید اسکا یہ جرم تھا کہ اس نے
دولتمند ہندوؤن کی دولت و ثروت مین کچھ دست اندازی نہین کی چنانچہ برنی کو
زر فرضی پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس سے ہندوؤن کی مرفہ الحالی و ثروت
مین اضافہ ہوا گیا، درآنحالیکہ یہ ایک راسخ العقیدہ حکمران کا فرض تھا کہ ان بدبختون سے
جو کچھ کھایا پیا تھا، سب انکے منہ سے اگلوا لیتا، ہندو حکومتون کے متعلق شروع شروع
اسکا طرز عمل بیشک یہ رہا کہ جنوبی ہند کی ریاستین اسکی مورد عتاب رہین اور بعد کو ہند
قیدیون کا ایک جم غفیر دہلی مین لا کر انکی ایک تعداد جہازون پر بھر کر غلامون کی حیثیت
سے چین، ترکستان، و روس، روانہ ہوتی رہی، لیکن یہ قصور اس سے ضرور ہوا کہ اس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) لیکن ہم کو یقین ہے کہ یہ مورخین اپنی تحقیقات سے جنکو مرہون منت بنانا چاہتے ہین
وہ اس ننگ کو گوارا نکرینگے، کیا انہین سلاطین مین ایسے لوگ نہین گذرے ہین جو باوجود پوری دینداری کے مورخین

چتور اور رنتھنبور کے راجپوتی قلعون کی کوشش تسخیر کے بجائے، دور و دراز ممالک کی فتوحات
کے بقول برنی مجنونانہ منصوبے باندھتا رہا، اور قدیم و جدید ہندو ریاستون کو نیم خود مختاری
کی حالت مین چھوڑے رکھا، اسکے اس طرز عمل کی دانشمندی سے وہ لوگ تو انکار کر ہی نہین
سکتے، جو اکبر کے طرز حکومت کے مداح ہین، علیٰ ہذا اس سے بھی کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ
رنتھنبور و چتور کے قلعہ جات پر بعد اضاعت نفوس کے بعد بھی مستقل قبضہ قایم رکھنے کی ناکامی
کا یقین محمد تغلق کی عاقبت اندیشی کی دلیل ہے، تاہم اسکی یہ ساری کارروائیان متعصب و پرجوش
طبقہ مین سخت مردود رہین، لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ اس کا یہ طرز عمل رفتار زمانہ کے بالکل مطابق
تھا، اور اس کا ثبوت **ابن بطوطہ** کے اس طنز آمیز لہجہ سے ملتا ہے، جس مین اس نے ایک
ایسے مسلمان کا تذکرہ کیا ہے، جو ہندوؤن کا قتل واجب سمجھتا تھا، گویا اس عقیدہ کا شخص
اس زمانہ کے لئے عجیب و غریب تھا،

غالباً علاؤالدین پہلا شخص ہے، جس نے مال غنیمت مین حصۂ حکومت کے قدیم تناسب مین
تغیر کیا، اس نے اول بار جب خود مال غنیمت کا ۴/۵ حصہ لیا، اور سپاہ کو صرف ایک خمس دیا تو
اس پر سپاہ مین سخت بغاوت پیدا ہوئی، مگر اس نے بغاوت کو بجبر آہنی سے فرو کیا، اور ہمارے
علم مین کبھی دستور سابق کو بحال نہ کیا (یعنی جو جدید قاعدہ اس نے مقرر کیا تھا اس پر قائم رہا)
خاندان تغلق کے دو ابتدائی فرمان رواؤن نے اسی قاعدہ کی تقلید کی، اور چودھوین صدی
مین ہر سپاہی کو الگ الگ تنخواہ دینے کا دستور پڑ گیا جو زمانہ حال کے بہت کچھ مطابق تھا،
گو سلاطین مغلیہ بھی اس جدید دستور کو رواج دیتے ہوئے بہت ہچکچاتے رہے، درآنحالیکہ
سیاست نامہ مین (جو قرون وسطیٰ کے اسلامی دور حکومت کے نظم و نسق کا ایک گنجینہ ہے) اسکی
کافی تعریف و توصیف موجود ہے،

موجودہ نظم سیاست کا یہ بیشک ایک مسلم مسئلہ ہے کہ بادشاہ کو محاصل سلطنت میں سے اپنی ذات کے لئے اسی قدر یا اس سے کچھ زائد لینا چاہئے، جتنا اسکی رعایا میں بڑے سے بڑے عہدہ دارون کو ملتا ہے، لیکن قرون وسطیٰ مین یہ تخیل بھی دشوار تھا۔ انگلستان تک مین، تاجدارون اور پارلیمنٹون کے درمیان اس مسئلہ پر مدتون سخت ترین معرکہ آرائیان رہین، پھر بھلا سلاطین دہلی سے اس اصول پر عمل درآمد کی کیون کر توقع ہو سکتی تھی، اور خصوصاً علاء الدین و محمد تغلق سے!

مذہبی عدالت کی قایم کردہ فرد جرم کا آخری عنوان یہ ہے کہ اس نے عدالتی کارروائیون مین مداخلت کی، مسلمانون کو سزائے موت سے مستثنیٰ نہ رکھا، اور سادات کے تقدس کا لحاظ نہ رکھا، ان تمام الزامات کے لئے ہمین اسی قدیم جرم یعنی سلطان کی شقاوت کی طرف رجوع کرنا چاہئے، لیکن یہ یاد رہے کہ آج جس سلطان کو ہم "خون آشام" کے لقب سے یاد کرتے ہین اسکا لقب خود اسکے زمانہ مین بلکہ اکبر کے عہد تک "عادل" تھا، اور سلطان کو فرائض معدلت مین انہماک تھا، نیز جس خاموشی کے ساتھ وہ اپنے مخالف فیصلون کے آگے گردن خم کر دیتا تھا یہ سب واقعات اسکے "عادل" ہونے کے زبردست شواہد ہین، لیکن اسنے ایک قدم اس سے آگے بڑھایا، اور مذہبی عدالت کی نظر مین یہی اسکا ناقابل عفو جرم ہے، اس نے مرافعہ کے لئے عدالت عالیہ خود اپنی ذات کو قرار دیا، اور جب کبھی اسکی رائے عدالت ماتحت کے مفتیون کی رائے سے مختلف ہوتی تو پہلے وہ اسکی کوشش کرتا کہ وہ مفتی صاحبان ہی اپنے فیصلون مین ترمیم کر دین، لیکن جب اس مین ناکامی ہوتی تو وہ اپنا حکم سنا دیتا، اور مفتیان شرع کے احکام مسترد کر دیتا، اس سے بڑھکر یہ کہ اس نے فصل خصومات کا کام اپنے بعض ایسے معتمد ارکان کے سپرد کر دیا تھا جو نہ قاضی تھے، نہ مفتی، نہ فقیہ، اس موقع پر بیشک یہ اعتراض

ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کو اسکی شقاوت و سفاکی سے کیا تعلق؟ اسلئے ہم بھی دو ایسے امور کا ذکر کرنا چاہتے ہین جنکا تعلق اسی الزام سے ہے، پہلا مسئلہ باغی سردارون کے ساتھ برتاؤ کا ہے، سلطان کے زمانہ مین بارہ بغاوتین فرو کی گئین، سات مین سلطان ذاتی طور پر شریک تھا اور پانچ اسکے افسرون کے ہاتھ سے، اول الذکر سات بغاوتون مین ایک کا سرغنہ میدان مین کام آیا، ایک مفرور ہوگیا، اور پانچ کو معافی دی گئی، بقیہ پانچ بغاوتون مین سے چار کے سرغناؤن کو سلطان کے افسرون نے بغیر اسکے ایماء و استمزاج کے قتل کر دیا، صرف ایک کے قتل کا البتہ معقول وجوہ و اسباب کی بنا پر خود سلطان نے حکم دیا، کیا ان واقعات سے سلطان کی سفاکی کی کچھ بھی تائید ہوتی ہے؟ اس سے بھی زیادہ دلچسپ وہ متعین واقعات ہین جنکی بنا پر مورخین نے سلطان کو خون آشام قرار دیا ہے، اس قسم کی پندرہ مثالین پیش کی گئی ہین، مگر لطف یہ ہے کہ ان پندرہ مین سے ایک نظیر تو سلطان کی خاص رحمدلی کی ہے، دو محض اتفاقی واقعات ہین، اور دو کا سلطان کی ذات سے مطلق تعلق نہین! سب سے بڑھکر تماشہ کی بات یہ ہے کہ بقیہ واقعات مین کم از کم آٹھ مثالین ایسے اشخاص کی ہین جن مین مقتول مذہبی یا فقہی جماعت کا رکن تھا، اور اکثر مثالون مین اس پر اصلی الزام صریح بغاوت و غداری یا اوقاف مذہبی مین تغلب و تصرف کا تھا، سلطان جو اپنی شقاوت و سفاکی کے لئے اسقدر بدنام ہے اس کا راز بس یہی ہے، اس ظالمانہ تعزیرات کے دور مین محض خونریزی کوئی حیرت انگیز واقعہ نہ تھا، البتہ رعایا کا ہر طبقہ اپنے فرمان روا کی اس جرأت و بیباکی پر ششدر رہ گیا، کہ وہ کسی سید یا متشرع شیخ پر ہاتھ ڈالنے مین بھی تامل نہین کرتا! گویا سلطان کی اصلی خطا یہ نہ تھی کہ وہ سخت مزاج تھا، بلکہ یہ تھی کہ اسکی معدلت گستری ہر طبقہ و فرقہ کے لئے یکسان و مساوی تھی، اور جب کسی پر جرم ثابت ہو جاتا تھا، تو

مجرم کا علم وفضل، عالی نسبی، بلندی مرتبہ، تشرع وتقدس، ان مین سے کوئی شے بھی داجبی تعزیر سے محفوظ رکھنے کے لئے اسکی شفیع نہین ہوسکتی تھی! وہ طبقہ جو ہمیشہ سے اپنے تئین قانون کی گرفت سے محفوظ و مصؤن سمجھتا چلا آتا تھا، اُسکی نظر مین یہ دور حکومت بیشک ہولناک تھا اور سلطان عادل نہین بلکہ سفاک تھا!

اگر سلطان کی پالیسی کی مخالفت صرف اسی طبقہ تک محدود رہتی تو بھی سلطان کی نیکنامی قایم رہ سکتی تھی، لیکن دو امور ایسے پیش آگئے، جن مین سلطان کے خیالات رفتار زمانہ کے بالکل مخالف تھے، ان مین سے پہلی بات یہ ہوئی کہ اس نے سرحد سے متعلق قدیم دستور العمل کو بالکل بدل دیا، ایک صدی تک مغربی صوبجات پر مغلون کی فوج کشی برابر ہوتی رہتی تھی، یہانتک کہ پنجاب جو ایک زمانہ مین اپنی زرخیزی کے لئے مشہور تھا، اب ویران ہوچلا تھا، اور سلاطین دہلی کو سب سے مقدم فکر اسی کی تھی، کہ کسی طرح اس یلغار کا سدّ باب کیا جائے، رفتہ رفتہ نوبت یہ پہنچ گئی تھی کہ خود پایہ تخت تک مکرر خطرہ مین آگیا تھا، اور اسکی حفاظت کے لئے محافظ کی حیثیت سے ایک جدید عہدہ قایم کرنا پڑا، ایسی حالت مین قدیم الخیال جماعت کو یہ دیکھکر کافی صدمہ ہوا کہ ان محافظون مین سے آخری محافظ کے فرزند نے ان قابل نفرت اعدا سے دوستی پیدا کرلی! لیکن اس تغیر صورت کے لئے سلطان کے پاس کافی وجوہ موجود تھے، اسلئے کہ مغلون مین اب خود اندرونی مناقشہ شروع ہوگئے تھے، اس لئے ان مین سے جو جماعت سب سے زیادہ پر قوت تھی اسکے ساتھ مصالحت کرلینا خالی از نفع نہ تھا، اسکے علاوہ اس قبیلۂ چغتائیہ اور اسکے فرمان روا ترنشیرین نے اسوقت تک اسلام بھی قبول کرلیا تھا، اور اسلئے اب ان سے مصالحت ومعاشرت ناجائز بھی نہ تھی، سلطان کی اس معاہدہ مین جو مصلحت شناسی تھی اس کا سب سے بڑا ثبوت

یہی ہے کہ اسکے بعد یہ یورشین موقوف ہوگئین، لیکن سلطان کی اس مصالحت پسندی سے گو جنگی یورش بند ہوگئی، لیکن ایک دوسرے قسم کا یلغار شروع ہوگیا، اور برنی کیسا تلخ ہوہوکر یہ ذکر کرتا ہے کہ اس عہد مین اجنبی جوق جوق ہندوستان مین داخل ہونے لگے، اور یہان ہاتھون ہاتھ ان کا استقبال ہونے لگا! لیکن یہ کیا غضب ہے کہ برنی بگڑ بگڑ کر انکے داخلۂ ہند اور استقبال پر اعتراض کرتا ہے، لیکن باوجود ایک پختہ مسلمان ہونے کے اس واقعہ کو پی جاتا ہے کہ یہ بیچارے محض قبول اسلام کی بنا پر اپنے ملک کے مظالم سے تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے!

برنی کا سارا غصہ سلطان کے دوسرے جرم یعنی اسراف پر ہے، یہ درحقیقت ایک عجیب بات ہے کہ برنی کی نظر مین سخاوت وفیاضی بھی جرم ہے اسلئے کہ تمام معتبر شہادتون کا اس پر اتفاق ہے کہ سلطان کی فیاضیان اسراف کی حد تک نہ تھین، بلکہ محاصل سلطنت کے بالکل مناسب تھین، البتہ زیادہ جہان بین سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان فیاضیون کے مورد اکثر اہل ملک نہین بلکہ غیر ملکی ہوتے تھے، ایسے غیر ملکی جو اسکی ملازمت مین داخل ہوتے تھے یا داخل ہونے والے ہوتے تھے، اور یا وہ جنکو کسی خاص کمال یا وصف کی بنا پر سلطان اپنی ملازمت مین لینا چاہتا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ سلطان سے یہ شکایت ذاتی حیثیت سے تھی، اسکی فیاضی بجائے خود معیوب نہ تھی، البتہ یہ جرم ضرور تھا کہ اسکا صرف غیر ملکیون پر ہوتا تھا! سلطان کے اس رجحان طبع کی یہ توجیہ کافی نہین کہ سلطان خود بھی تو غیر ملکی تھا، جسکے اسلاف ہندوستان مین پہلی صدی کے خاتمہ پر داخل ہوئے تھے سلطان کا مقصود اصلی یہ تھا کہ کسی طرح نظام سلطنت درست وبہتر ہو، ملکی عہدیدار علے العموم نااہل وناتجربہ کار تھے، اس لئے لامحالہ اُسے ایران ومغربی ایشیا سے ارکان حکومت بلانا پڑتے تھے

کہ وہان کی خوش نظمی مُسلّم تھی، علاؤ الدین نے اپنے زمانہ مین جتنے افراد کو کاروبار سلطنت مین
ہوشیار کرایا تھا، ان مین سے بعض اپنی موت طبعی سے مرچکے تھے، بعض کو اس نے اپنے
آخر زمانہ مین خود قتل کرایا تھا، اور باقی قطب الدین وخسرو خان کے زمانہ مین ختم ہوگئے تھے،
ایک طرف اشخاص کا یہ قحط تھا، دوسری طرف ضروریات سلطنت روز افزون تھین، ایسی حالت
مین سلطان کے لئے بجز اسکے چارہ نہ تہا کہ وہ یا تو ہمسایہ ملک ایران سے اشخاص کو بلاسے
یا اپنی ملکی رعایا کے اُن طبقات سے انتخاب کرے، جو ابتک مناصب جلیلہ سے بالکل الگ
رہے تھے، یہ دونون صورتین قدیم خاندانی عہدہ دارون کی برہمی کا باعث ہوئین، علے الخصوص
پہلی صورت کہ عین الملک کی بغاوت بالآخر ملکیون اور غیر ملکیون کی طاقت آزمائی کا میدان
ثابت ہوئی، سلطان جو خوش انتظامی کا دلدادہ تھا، اس پر اس طرز عمل سے کوئی حرف نہین
آسکتا، تاہم ان واقعات سے اسکے خلاف برہمی کی علت غائی پوری طرح سمجھ
مین آجاتی ہے،

حالات واسباب بالا کی بنا پر رعایا کے دو پُرقوت طبقہ سلطان کے پورے دشمن ہوگئے
تھے، ایک مذہبی گروہ، دوسرے ملکی عہدہ دارون کی جماعت، اور سلطان نے جو فرمان روائے
مصر کی خلافت کو تسلیم کرلیا تھا، ممکن ہے کہ اس مین بھی اسکی یہ مصلحت ہو کہ ان مخالفانہ
اثرات کی قوت کسی حد تک تو زائل ہوسکے، لیکن اگر ایسا تھا، تو اپنے منصوبہ مین وہ ایک
حد تک ناکام رہا، اور یہ عجیب شومیُ قسمت کہ سلطان کے آخری ایام مین جو اہم بغاوتین
ہوئین، وہ انہین غیر ملکی عہدیدارون کی بھڑکائی ہوئی تھین اسوقت انکی تفصیل بیان کرنے
کا موقع نہین، صرف اتنا کہدینا کافی ہے، کہ جسوقت سندھ کے ریگستان مین سلطان
کی عمر وحکومت دونون کا خاتمہ ہو رہا تھا، اُسی وقت سے مذہبی گروہ مین یہ گہری شازش

ہونے لگی کہ اسے معزول کرکے اسکی جگہ پر اسکے کمزور و مطیع الفقہا چچازاد بھائی کو تخت
نشین کیا جائے، ایک لحاظ سے یہ انتخاب بہت بجا تھا، چنانچہ جون جون زمانہ گذرتا گیا اور سلطان
محمد تغلق کے تربیت دادہ ارکان دولت جوق جوق اُٹھتے گئے، اسی قدر فیروز شاہ علمبرداران
تشرع وتقشف کے زیر اثر آتا گیا اور اس سے بہت قبل کہ تیمور آکر دہلی کی اینٹ سے اینٹ
بجادے، خاندان تغلق کی حکومت کے کل پرزے ایک ایک کرکے الگ ہوتے گئے۔

آخر مین مختصراً موضوع غور صرف دو سیرتین رہ جاتی ہین، ایک برنی کی، دوسرے سلطان
کی، مباحث بالا سے غالباً یہ نتیجہ ناظرین کے ذہن مین پیدا ہوا ہوگا، کہ جس شخص نے اپنے
آقا کو اسقدر بیجا بدنام کیا اسکی بدنفسی مین کیا کلام ہوسکتا ہے، لیکن یہ احتمال بھی ہوسکتا
ہے کہ جس شخص نے یہ الزامات لگائے ہون ممکن ہے کہ اس نے (کم از کم اپنے نزدیک)
دیانتہً لگائے ہون، خوب غور کرکے دیکھو، کہ یہ شخص جو، ۱۷ برس تک سلطان کا ایک معتمد
عہدیدار بلکہ اسکے آخری ایام مین اسکا مشیر کار بھی رہ چکا تہا، اس نے اس مدت کے
بعد اپنے تئین کیسا پریشان، بے روزگار وحقیر پایا ہوگا! فیروز شاہ کے جلوس کے وقت
جو ہنگامۂ انقلاب برپا ہوا تھا غالباً اسی لپیٹ مین اسکی معاش بھی جاتی رہی، اور اسکے بعد
پانچ برس کی مدت یعنی تاریخ عہد تغلق کے آغاز تحریر تک اسکا بجز اسکے اور کیا مشغلہ رہا ہوگا
کہ دن بھر بے روزگاری کی حالت مین مضمحل وافسردہ بیٹھا ہوا دور سابق کے واقعات
وحالات پر غور کیا کرتا ہوگا؟ اسکے بعد جب وہ تاریخ کے لئے قلم ہاتھ مین لیتا ہے تو اگرچہ
اپنے مرحوم آقا کے محاسن ذاتی وکمالات کا تذکرہ کئے بغیر نہین رہ سکتا، بلکہ ایک مقام پر تو
سلطان مرحوم کی ایک اصلاح کا ذکر کرتے ہوئے اسکے تاریک صفحات بھی جوش مدح سے
روشن ہونے لگتے ہین تاہم ایک پختہ تشرع مسلمان کی تقدیر پرستی کے ساتھ وہ اس خیال

پر مجبور ہو جاتا ہے کہ عہد سابق کے مصائب خدا کی نافرمانی کا نتیجہ تھے، اور سلطان نے مرضیٔ الٰہی کے خلاف کارروائیاں کین، اور اسی خیال کی مطابقت مین وہ تاریخ لکھنا شروع کر دیتا ہے وہ غریب ہندوستان کے باہر کے حالات سے قطعاً ناواقف ہے، اور چونکہ سلطان زیادہ مشورہ نہین طلب کرتا تھا، اسلئے اسکی نیت و پیش نظر مقاصد کی توضیح بھی برنی پر فرض نہ تھی، غرض اس طرح اسکی تاریخ نیم ارادی و نیم اضطراری تعصب سے رنگ جاتی ہے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسوقت کی حکومت اسکی تاریخ کو عہد سابق کی مستند سرکاری تاریخ سمجھنے لگتی ہے، یہانتک کہ جب اسکی وفات ہوتی ہے تو فیروز شاہ بہ صد حسرت و یاس کہتا ہے کہ "کاش میرے عہد کی تاریخ بھی کوئی ایسا ہی شخص لکھتا"!

اب رہی سلطان کی سیرت، یہ ہمین معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان کے جوہر ذاتی و اہلیت کے متعلق معاصرین کی کتنی بلند رائے تھی، یہ بھی ہمین معلوم ہے کہ سترہوین صدی کے اوایل تک اسکی بابت یہ حیطۂ تحریر مین ہے کہ "وہ فرمانروا جو آج تک عادل کے لقب سے مشہور ہے" پھر یہ بھی ہمین معلوم ہو چکا ہے کہ اس پر جو سخت سے سخت الزامات ہین وہ لاجواب نہین، اس حالت مین کیا ہمین جو عام رائے اسکی بابت شایع ہے اُسے قبول کر لینا چاہیئے، اور اسکے مزار پر کتبہ لگا دینا چاہیئے کہ "نہایت قابل مگر نہایت ناکام"؟ ایسا فیصلہ یقیناً نامنصفانہ ہوگا، اسلئے کہ اس مین غیر مساعد اتفاقات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، مثلاً علاقۂ دوآب مین اضافۂ ٹیکس کے بعد طویل قحط، یا زر فرضی کے چلنے مین غیر متوقع دقت، تسخیر خراسان کے وقت دفعتہً اتحادیون کی اعانت سے محرومی، حکومت کی ابتدائی ۲۰ سالون مین پورے پانچ سال کا قحط وغیرہ، ان مخالف اتفاقات و حالات کے مقابلہ مین قرون وسطیٰ کا کون سا حکمران کامیاب رہ سکتا تھا؟ پھر آخر

یہ کہان کا انصاف ہے کہ ناسازگاریٔ بخت کا بھی سارا الزام اسی کے نامۂ اعمال مین لکھدیا جائے، خواہ اس سے اسکے دشمنون کو کیسی ہی خوشی ہو؟ لیکن کیا اس شق کو چھوڑ کر وہ کسی اور حیثیت سے بھی ناکام رہا ہے؟ ممکن ہے کہ اسکے جواب مین بنگال و دکن کے علاقہ جات کا اسکے ہاتھ سے نکل جانا پیش کیا جائے، لیکن یہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے، جب ہم ان حقایق کو فراموش کر جائین، کہ

(۱) بنگال پر دہلی کی حکومت شاذ و نادر ہی کبھی رہی تھی، اور اسکو بھی بنگال نے انتہائی نفرت سے دیکھا تھا،

(۲) تسخیر دکن کا پورا قصد تھا، لیکن یہ قصد وقتہً فوقتہً ملتوی ہوتا رہا، تا آنکہ موت نے ہر قصد، بلکہ خود سلطان ہی کو محو کر دیا،

(۳) اسکے معاوضہ مین سلطان نے کاٹھیاوار کو مسخر کر کے بڑے بڑے تجارتی مرکزونکو اپنے لئے محفوظ کر دیا۔

ساتھ ہی ہمکو یہ بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے، کہ کتنی عظیم الشان اور کاواک سلطنت کا بار اسکے سر تھا، جس مین مدبرین و قابل عہدیدارون کا قحط تھا، ایسی حالت مین اس نے ایک جدید طرز حکومت اختیار کیا، یعنی وہی طرز حکومت جسکی بنا پر ہم اکبر کی داد دیتے ہین، اسنے اشاعت تعلیم کا نظام قایم کیا، شفاخانہ جاری کرائے، محتاج خانون اور اعانت غربا پر توجہ کی، زراعت کو ترقی دی، پھر اگر ان حالات کے ساتھ ہندوؤن کے ساتھ اُسکی بے تعصبی و رواداری کا طرز عمل اسکے لئے باعث بدنامی ہوا، تو بجز اسکے کہ "اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی" پڑھکر خاموش ہو رہا جائے اور کچھ نہین کہا جا سکتا،

سلطان کی سیرت و طرز عمل کی بابت قول فیصل اسی کی رائے کو سمجھنا چاہیئے جو قدیم

مورخوں نے اسکی بابت قایم کی ہے، اس باب مین ہمین مورخین حال کے تتبع سے احتراز کرنا چاہیے، جنکی راے تمامتر متعصب برنی کے سرسری مطالعہ اور فرشتہ کے غیر مستند انگریزی ترجمہ پر مبنی ہے، ایسے لوگون کی نظر مین سلطان یقیناً مجنون یا مراقی یا مطلق العنان مستبد فرمانروا ہوگا، لیکن اس طرح کسی کا نام نکال لینا اپنے تئین منصفانہ تحقیق، بے لاگ راے، اور نفس بشری کے طریق کار کی واقفیت سے معرّیٰ ثابت کرنا ہے، اسکے مجنون ہونے کا تو اسکے معاصرین مین کوئی بھی مدعی نہین، رہا اسکا مراقی ہونا سو اسکی تردید مین اسکے متعدد علمی اور پر قوت کارنامہ موجود ہین، مستبد بیشک وہ تھا لیکن استبداد کے سوا قرون وسطیٰ مین کوئی اور طریق حکومت کسی کے تخیل مین بھی تھا؟ اسکے استبداد کو بطور کسی خاص جرم یا اخلاقی مرض کے پیش کرنا اس حقیقت سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ تعلیم برائے نام ہوتی ہے اور جمود و تاریک خیالی کا دور دورہ ہوجاتا ہے، ایک ایسا مستبد فرمانروا جو جدید تجاویز و خیالات کو قبول کرسکتا اور اصلاحات پر آمادہ ہوسکتا ہے وہ اپنی رعایا کی خوشحالی مین بہت کچھ اضافہ کرسکتا ہے، البتہ ایسے حکمران کو اپنے زمانہ مین سخت دقتون کا سامنا ہوتا ہے، قدیم خود غرضیون کی بیخ کنی اور لوگون کی قدامت پسندی خواہ مخواہ اسکے بکثرت دشمن پیدا کردیتی ہے، ملازمین و عہدیداران جنکے سر ان ناگوار جدید اصلاحات کا نفاذ ہوتا ہے وہ اسکا بار اپنے آقا کے سر ڈالدیتے ہین، اور اس راہ مین اگر کوئی اتفاقی ناکامی پیش آجاتی ہے، یا نا اہل و خاین عہدیدارون کے باعث اسکیم مین خامی رہ جاتی ہے تو اسکا سارا وبال مستبد فرمانروا کی گردن پر عاید کردیا جاتا ہے پھر اگر اتفاق سے کسی معمولی جنگ کے دوران مین اسکی موت آجاتی ہے (چنانچہ محمد تغلق نے بھی شہر ٹھٹھہ کی فصیل کے نیچے وفات پائی) تو فوراً اس عام فتویٰ پر منشاے ایزدی کی بھی مہر لگ جاتی ہے، اسکے بعد جب اسکے

عہد کی تاریخ لکھنے کے لئے وہ لوگ قلم اٹھاتے ہین جنکے جذبات یا اغراض کو اسکی اصلاحات سے کافی صدمہ پہنچ چکا ہو، تو لامحالہ اسکی نیت پر حملہ کئے جاتے ہین، اسکے محاسن و کمالات پر پردہ ڈالا جاتا ہے اسکے کارنامہ مدہم کرکے دکھائے جاتے ہین، آخر مین چلکر ممکن ہے کہ حق و راستی معاصرانہ باطل پرستیون پر غالب آجائے، لیکن جو افترا آت زبان زد عوام ہوجاتے ہین اور جو اکا ذیب صدیون کی عمر پا چکے ہین انکی پردہ دری بھی آسان نہین۔

یہی صورت اُس عالم، مہذب، و پُر قوت فرمانروا کے لئے بھی پیش آئی ہے جو بیکسون اور ناتوانون کا خاص طور پر حامی و مددگار تھا، لیکن جیسے تاریخ کے صفحات نے بہ کمال بیدردی "سفاک" کا لقب بخشا ہے جو شے اسے سب سے زیادہ عزیز و محبوب تھی جو کتبہ اپنی قبر کے لئے وہ سب سے زیادہ پسند کرتا وہی بات اسکی موت سے کچھ پیشتر ہی ایک دور دراز ملک کے ایک باخبر و منصف مزاج مصنف کی زبان قلم سے نکل گئی، قرطبہ (اسپین)، سے پیکن (چین)، اور کریمیا سے ممباسا تک شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جسکی سیاحت ابن بطوطہ نے نہ کی ہو، اور محمد بن تغلق کی متعدد کارروائیون سے اسے اچھا خاصا اختلاف تھا، بہر حسین تا حلار کی رفاقت چھوڑ کر وہ مفرور ہوگیا تھا، اُس سے اب اُسے کسی حُسن سلوک کی بھی توقع نہین ہوسکتی تھی، بر ایں ہمہ اپنے وسیع تجربات کی بنا پر اسے یہی پُر زور الفاظ لکھنا پڑے، جسے افسوس ہے کہ ہم آسانی سے بُھلا دیتے ہین:-

"تمام اشخاص سے زیادہ یہ بادشاہ منکسر و متواضع ہے، اور تمام اشخاص سے زیادہ یہ عدل کو ملحوظ رکھتا ہے"

(اس مضمون کے راقم پروفیسر گارڈنر براؤن ایم۔ اے اس مضمون کا مسودہ ختم کرتے ہی بغیر اس پر نظر ثانی کئے وفات پاگئے)

(یوپی، ہسٹاریکل جرنل)

تلخیص و تبصرہ

مذہب و اصلاح نظام تمدن

مسٹر اڈمنڈ ہومس اسوقت انگلستان کے اُن چند مشاہیر فضلا مین ہین جنکی وسعت نظر و وسیع ا[illegible] موافقین و مخالفین سب کو مُسلّم ہے، اور جو ملکی و مذہبی و قومی تعصبات سے اپنے تئین حدامکان تک آزاد کر چکے ہین، فن تعلیم و تربیت، نیز مذاہب مشرقیہ پر انکی متعدد تصانیف موجود ہین، اور انکی ہر ہر سطر مصنف کے اجتہاد فکری کی گواہ ہے، یورپ کے سنجیدہ طبقہ مین آجکل سب سے زیادہ [illegible] یہ مسئلہ ہے کہ جنگ کے بعد نظام تمدن و معاشرت کی تجدید کن اصول پر ہو؟ اس موضوع پر مسٹر موصوف نے بھی رسالہ ہائبرٹ جرنل مین قلم اُٹھایا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ نظام تمدن کی صحیح اصول پر اصلاح و تجدید ناممکن ہے تاوقتیکہ پہلے مذہب مروجہ کے پیدا کردہ تخیلات و عقائد کی جو فضائے کائنات پر محیط ہوگئے ہین اصلاح و تصحیح نہ ہولے۔

مسٹر موصوف فرماتے ہین کہ جس تمدن مادی پر ہمین ناز تھا، جنگ عظیم نے اسکی بنیادین تک متزلزل کر دی ہین، وہ نظام تمدن جو فوج کے سپاہیون اور پولیس کے پیادون کے بل قائم تھا، ہر جگہ شکست ہو رہا ہے چنانچہ متعدد ممالک مین تو امن کی جگہ بدامنی، حکومت کی جگہ لاحکومتی، اور خوشحالی کی جگہ قحط و افلاس نے صریحاً لے لی ہے، اور جن ممالک مین اب تک یہ نوبت نہین آئی ہے وہان بھی مختلف طبقات کی ہنگامہ آرائیان اور شورشین کسی آنیوالے انقلاب عظیم کی خبر دے رہی ہین، ہر طرف خود غرضی، حرص و طمع، مسابقت، حسد و منافرت کا دور دورہ ہے اور اس عظیم الشان تلاطم و طوفان مین انسانیت کی کشتی تہ و بالا ہو رہی ہے اور قریب ہے کہ ان سخت تھپیڑون سے بالکل چور چور ہو جائے،

ان مصایب سے محفوظ رہنے اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے سیاسی جماعت کا ہر فرقہ، ہر گروہ، ہر طبقہ اپنی اپنی عقل و بیش بینی کے موافق ایک جدید تجویز اصلاح پیش کرتا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ باوجود ان تجاویز اصلاح مین بعید اختلاف ہونے کے تعلیم و مذہب کو ہاتھ نہ لگانے پر سب کا اتفاق ہے! حالانکہ نظام تمدن کی اصلاح بغیر صحیح اصول تعلیم کے گویا عمارت بغیر بنیاد، اور بغیر صحیح اصول مذہب کے، عمارت بغیر نقشہ تیار کرنا ہے!

جس طرح بغیر نقشہ قائم کئے عمارت کی بنیادین تک نہین رکھی جاسکتین، اسی طرح ہر تمدنی اصلاح سے پیشتر مذہب کا صحیح تخیل بھی لازمی ہے، مکان کا نقشہ بناتے وقت مکین اپنی تمام آئندہ ضروریات راحت، صحت، صفائی، استحکام، خوشنمائی، کفایت، وغیرہ کا لحاظ رکھتا ہے اور اسی کے مطابق نقشہ تیار کرتا ہے، اسی طرح مذہبی خاکہ تیار کرتے وقت بھی ہمین آئندہ کی تمام تمدنی ضروریات کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اسلئے کہ مذہب ہر شعبۂ زندگی پر حاوی و محیط ہے، یہان تک کہ نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح بھی اسکے دائرہ سے الگ ہو کر ممکن نہین،

مذہب کی تعریف مین گو اہل مذاہب کتنے ہی مختلف الآرا ہون، بہرحال اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ مذہب سب سے بڑی حقیقت کی جسے مذہبی اصطلاح مین خدا یا معبود کہتے ہین ایک تعبیر ہے، پس عام اس سے کہ ہم مذہب کے قایل ہون یا منکر، اپنی کسی اسکیم مین اس سب سے بڑی حقیقت سے قطع نظر نہین کر سکتے، بلکہ جہان تک ہماری یہ تعبیر درست ہوگی اسی نسبت سے آئندہ سہولتین ہوتی رہین گی، اور اگر ہمارا نظام تمدن ناکام ثابت ہو چکا ہے تو اسکے معنی یہ ہین کہ اس عمارت کا جو نقشہ تھا، وہ ناقص تھا، یعنی حقیقت عظمیٰ کی تعبیر یا خدا کا جو تخیل ہمارے ذہن مین قائم تھا وہی سرے سے غلط یا ناقص تھا۔

جو لوگ وجود باری کے قائل نہین، اُنکے ذہن مین خدا کا تخیل دو ہی طرح پر آسکتا ہے ایک یہ کہ خدا ہماری ذات سے الگ اور ہم سے خارج مین ہے، دوسرے یہ کہ ہمین مین شامل اور ہمارے اندر ہے، لیکن عملاً ہم ابتک کس خدا کو مانتے رہے ہین؟ خدا ئے خارجی کو، وہ خدا جو کائنات کا مافوق الفطرت خالق، اور فرمان روائے غیر مسئول ہے، ابتک عموماً ہمارا عقیدہ یہ رہا ہے کہ ہم ایک ضعیف البنیان وگنہگار مخلوق ہین، البتہ ہمارے خالق مطلق الاختیار نے کبھی کبھی اپنے بعض برگزیدہ بندون کو اپنے اور ہمارے درمیان خدمت پیامبری کے لئے چن لیا ہے، انہین منصب رسالت و نبوت پر سرفراز کیا ہے ان پر صحیفے نازل کئے ہین، اور انکے ذریعہ سے ہم تک اپنے ارشادات پہنچائے ہین، اسی بنا پر ہر مذہب نے اپنا ایک مخصوص خدا قرار دے لیا ہے اور ہر مذہب والا اپنی جگہ پر یہ یقین رکھتا ہے کہ نجات صرف اسی مذہب کے لئے ہے، اور باقی اہل مذاہب گمراہ و جہنمی ہین۔

یہ لے یہانتک بڑہی کہ خارجیت وظاہریت کا اثر ہماری مذہبی زندگی کے ایک ایک جزو پر چھا گیا، اور نہ صرف مذہبی بلکہ معاشری و اخلاقی زندگی بھی انہین عقاید کے سانچہ مین ڈہل گئی، ہر فرد کے دل مین یہ تمنا رہنے لگی، کہ خدا کی خوشنودی مزاج اسی کے حصہ مین آئے، ہمارا خدا گویا تخت عرش پر بہ طور ایک مطلق الاختیار و فرمان روائے غیر مسئول کے متمکن ہے اور ہر بندہ حسنات آخرت اور ہر حسنات دنیا کے لئے اسکی پیشگاہ مین عاجزانہ و خوشامدانہ التجا کر رہا ہے اور ان دعاؤن کی استجابت اسکے ایک اشارۂ چشم پر موقوف ہے، برکات دینی و دنیوی کے جتنے سرچشمہ ہین، نجات اُخروی و فلاح دنیوی، عزت، دولت، حکومت وغیرہ کے عطا کرنے والے جتنے مجازی خدا ہین وہ ان سب کا خدا ہے، وہ جسے چاہتا ہے دم بھر مین عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دم بھر مین ذلت دیتا ہے، امارت و افلاس، حکومت و محکومی، صحت و بیماری، عزت و ذلت کی تقسیم اسکے ہاتھ مین ہے وہ جسے جو چاہے عطا کرے، اور اسکی تقسیم پر ہر بندہ کو سر تسلیم خم کر دینا چاہئے گویا مخلوقات بدنصیبون اور خوش نصیبون کے دو گروہون مین منقسم ہے۔

خدا اور خدائی کے متعلق یہ تخیل تھا، جو معاشری زندگی کے رگ و ریشہ مین سرایت کئے ہوئے ہے، اور یہی نظام اب درہم برہم ہو رہا ہے، بدنصیبون نے اپنی حالت پر قناعت رکھنا چھوڑ دیا ہے، اور خوش نصیبون کے مملوکات پر بہ زور قبضہ حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور اسی نے ہیئت اجتماعی مین تلاطم کی کیفیت پیدا کر رکھی ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایک خارجی خدا کی پرستش کرنا ایک امر محال کی سعی کرنا ہے "رشتۂ عبودیت" اور "خارجیت مطلق" باہم متناقض ہین، اور ان دونون کا اجتماع محال عادی و محال عقلی ہے، "خارجی خدا" کا وجود اگر ماننا ہی ہے تو اسکا بہترین مظہر داخلی خدا کو تسلیم کرنا چاہئے، اور اس سے زاید ہستی باری کی کنہ و ماہیت کی جستجو مین نہ پڑنا چاہئے، پرستش و عبادت کے قابل یہی داخلی خدا ہے جو خارجی خدا کی طرح عرش اعلی پر متمکن نہین، بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ مین ہمارے نفس کے اندر اور ہماری روح کی گہرائیون مین جاری و ساری ہے، نہین، بلکہ یہی داخلی خدا ہماری اصل حیات اور حقیقی روح ہے، جو نیک و بد، زاہد و فاسق، ہر شخص مین موجود ہے اور حیات انسانی تمامتر اسی کا ایک پرتو، اسی کی ایک جلوہ آرائی ہے۔

یہین سے مساوات انسانی کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے، جب تمام افراد اپنی اصل، یعنی جلوہ گاہ ہستی باری ہونے کے لحاظ سے یکسان و مساوی ہے، تو ظاہری و فرعی فرق و اختلافات ان مین کوئی عدم مساوات نہین پیدا کر سکتے، اس عقیدہ کے لحاظ سے تمام افراد روحانی حیثیت سے باہم گر برادرانہ تعلق رکھتے ہین، جس مین کسی طرح کے جبر و تشدد کو مطلق دخل نہین ہو سکتا، پھر چونکہ ہر فرد کے مقصد حیات کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے

جب اُسے بلامزاحمت پورے نشو ونما و بالیدگی کے مواقع حاصل رہیں، اوران مواقع کا حصول گردوپیش کے طرز معاشرت وحالات سیاسی پر ایک بڑی حدتک مشروط ومنحصر ہے اسلئے ہر فرد کو قدرۃً یہ حق حاصل ہے کہ وہ امور سیاسی ومعاشری کی تنظیم وتشکیل مین اپنی بھی ایک آواز رکھے، اور حکومت پر فرض ہے کہ اس آواز پر کان رکھے، جمہوریت کی صحیح ومستحکم بنیاد یہی ایک عقیدہ ہوسکتا ہے، اسکے سوا کسی اور بنیاد پر نظام جمہوریت قایم کرنا گویا ریگ کے ذرات پر عمارت تیار کرنا ہے،

افراد کی تکمیل حیات مین انکی روحانی ترقی بھی شامل ہے، روحانی ترقی کا سب سے پہلا زینہ یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو مٹائے، ایثار سے کام لے، اور دوسرون کی خدمت فرض عین سمجھے، ارتقاء روحانی کی سب سے مقدم تدبیر یہ ہے کہ من وتو کی تفریق مٹ جائے اور ابنائے جنس کی بیغرضانہ خدمت اسی طرح اپنے اوپر فرض سمجھی جائے، جس طرح خود اپنی ضروریات وخواہشات کا پورا کرنا ہوتا ہے، جو لوگ خارجی خدا کے بجائے داخلی خدا کی عبادت کرتے ہین، وہ جانتے ہین کہ من وتو کی تفریق محض سطحی وظاہری ہے کہ اصل حقیقت کے لحاظ سے تمام بنی آدم ایک ہی جوہر لطیف کے مختلف شئون ومظاہر ہین، اور جب قلب کو یہ اذعان حاصل ہوجاتا ہے تو لامحالہ خودی، خودپسندی وخودبینی کے جذبات مٹ جاتے ہین، اور انسان کسی کو غیر نہین بلکہ سب کو "اپنے" ہی مین شامل کرنے لگتا ہے ۔

لیکن روحانی ترقی کا جو یہ طریقہ بتایا گیا، بہترین نظام معاشرت کا راز بھی یہی ہے ہر فرد اگر دوسرے کی خدمت واعانت اپنا فرض سمجھنے لگے مغایرت وبیگانگی کا خیال اگر مٹ جائے تو دنیا سے مناقشہ ومنافسہ کا بھی ابھی خاتمہ ہوجائے، حکومت وتمدن کا مقصد یہ ہے کہ افراد مسرت وراحت کے ساتھ معیشت رکھ سکین، اور اسکے لئے ضروری ہے کہ

افراد بغیر کسی خارجی مزاحمت کے آزادانہ اپنا تکملۂ حیات کرسکین، اور یہ تکملہ سب سے زیادہ ضبط نفس خدمت خلایق، اور خود فراموشی ہی سے ہوسکتا ہے،

دنیا مین اسوقت ایسی صورتین رایج ہین، جنکے ذریعہ سے افراد کی خود غرضیون کو دبایا جاتا ہے، مثلاً حب وطن، حب قوم وغیرہ، لیکن درحقیقت ان مین سے کسی طریقہ سے افراد کی خودی ونفسانیت نہین دور ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ افراد بجائے اپنے ذاتی فواید کے قومی اغراض وملکی فواید کو پیش نظر رکھنے لگتے ہین، بالکل اسی طرح جیسے قزاقون کے گروہ مین ہر فرد باوجود انتہائی شقاوت وبداخلاقی کے اپنے گروہ کے فواید کو اپنے ذاتی خواہشات پر مقدم رکھتا ہے، اس غرض کا صرف اصلی علاج وہی ہے جو اوپر مذکور ہوچکا، یعنی افراد کے ذہن مین یہ یقین مسلط ہوجائے . کہ ع بنی آدم اعضائے یکدگر اند،

اور اس حقیقی رشتۂ اتحاد کے سامنے ملک وقوم، مذہب وملت کے امتیازات تمامتر سطحی ہین، وطنیت، قومیت یہ سب چیزین اپنی اپنی جگہ پر مفید ہین، بشرطیکہ انہین انسانیت پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور سب پر بالاتر اخوت انسانی کو رکھا جائے، مثلاً جو محبان وطن آج وطن پرستی کے جوش مین بیخود ہوکر دوسرے ممالک سے جنگ شروع کردیتے ہین اور اس طرح بغیر ارادہ خود اپنے وطن کو بھی نقصان پہنچاتے ہین، اگر اخوت انسانی کا خیال ان پر مستولی ہوتا تو ایسے خطرات سے ہمیشہ کے لئے امن ہوجائے،

غرض یہ کہ اگر آیندہ کشمکش سے بچنا، اور امن کی برکات سے مستفید ہونا ہے تو افراد کو اپنے نشو ونما مین پوری حریت حاصل رہنا چاہئے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ذہن مین بجائے ایک عرش نشین خارجی خدا کے، اس داخلی خدا کا اعتقاد ہو جو کائنات کے ذرہ ذرہ مین پڑا جگمگا رہا ہے،

قدیم خود غرضانہ طرز معاشرت کو ترک کرکے ایثار، خلوص، و بیغرضی کو دلیل حیات بنائین گو آج ہم سب پر فرض ہے اور ہم مین سے تقریباً ہر شخص کافی مشق و کوشش کے بعد اپنے مین یہ خصایل پیدا کر سکتا ہے تاہم جو لوگ اپنی عمر کی پختگی کو پہنچ چکے ہین انکے مقابلہ مین بچون کو یقیناً ان خصایل کے اخذ و اکتساب مین بہت زیادہ سہولت ہوگی، اسلئے ہمارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ آیندہ نسل کی تعلیم و تربیت کا خاص طور پر انتظام انہین اصلاحی اصول کے مطابق اپنے ہاتھ مین لین،

لیکن اسوقت مدارس اور تعلیم گاہون کی کیا حالت ہے ؟ وہی عرش نشین خدا کا تخیل یہان بھی بغیر اپنے زہریلی نتائج کے نہ رہا، اسی خدا کے نمونہ پر تعلیم گاہون کے اندر ہر استاد چہوٹے پیمانہ پر ایک مطلق الاختیار و غیر مسئول خدا ہوتا ہے اور آگے چلکر دنیا مین اس خارجی خدا کے جن مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے ان سب کا ایک ایک کرکے بچپن ہی کے زمانہ مین تجربہ کرا دیا جاتا ہے، بچونکو فطری آزادی سے محروم کرکے زبردستی انہین پڑہنے بٹہایا جاتا ہے، جبر و تشدد کے تمام طریقے عمل مین لائے جاتے ہین کبھی خفگی پڑتی ہے، کبھی سزا ملتی ہے، اور کبھی دم دلاسا کے ساتھ رشوت کا خوگر کیا جاتا ہے، پہر ترغیب و تشویق کے طریقے کیا استعمال کئے جاتے ہین ؟ امتحانات انعامات، گویا ہر بچہ کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دوسرے بچے اُسکے حریف و دشمن ہین، اور اُسے ہر معرکہ مین انہین نیچا دکہانا چاہیئے، جو بچہ ناکام رہتا ہے، اُسکے ساتہی اُسے ذلیل سمجھتے ہین اور اور جو کامیاب ہوتے ہین وہ فخر یہ اکڑتے پہرتے ہین، اور اس طرح ہر مدرسہ بجائے خود رشک و حسد، مقابلہ و مکابرہ، خود پسندی و فخاری کی ایک درسگاہ ہوتا ہے اس سے بھی بڑہکر یہ کہ ہر بچہ کی قوت ارادی شکست کی جاتی ہے، اسکی حریت قدم قدم پر محدود کی جاتی ہے اسے مصنوعی قواعد و ضوابط کے شکنجہ مین جکڑ دیا جاتا ہے، اور نفس کشی و ایثار کا اسے بہولے سے بھی کوئی سبق نہین دیا جاتا، خوداعتمادی کے بجائے اُسے دوسرون پر بہروسہ اور تکیہ کرنا سکہایا جاتا ہے،

خارجیت اُسکے رگ و ریشہ مین سرایت کی جاتی ہے، اُسکا مذاق فاسد کیا جاتا ہے، اور ہر ممکن طریقہ سے یہ نقش اُسکے ذہن پر بٹہایا جاتا ہے کہ بجائے اپنے نفس و ضمیر کے فتوے کے اُسے دوسرون کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیئے !!

اس طرز تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر بچہ خود غرض، خود پسند، خود بین ہو کر رہ جاتا ہے، اور گو شروع سے آخیر تک اُسے بیشمار اُستادون سے سابقہ پڑتا ہے، غیر محدود مضامین کو دماغ مین محفوظ رکہنا پڑتا ہے اور ایک لاتعداد انبار کتابون کا اُلٹنا پڑتا ہے، لیکن یہ سبق اُسکو بچپن سے جوانی تک ایک موقع پر بھی نہین ملتا، کہ

"معرفت نفس انہین کو حاصل ہوتی ہے، جو اپنی خودی کو گم کر چکتے ہین"

اُسکا مطمح نظر مادی لذت و راحت رہ جاتی ہے اور روحانی سکون و سرور کیطرف اسکا خیال بھی نہین جاتا،

آخر مین ایک بار پہر کہنا پڑتا ہے کہ ان سارے مفاسد کا ذمہ دار وہی عرش نشین خارجی خدا کا تخیل ہے جو ہر شے مین غیر مسئولیت اور مطلق الاختیاری ڈہونڈتا ہے بر خلاف اسکے داخلی خدا کا عقیدہ رکہنے والا جانتا ہے کہ اُس ہستی مطلق کے بیشمار شئون و مظاہر ہین اسکا کوئی ایک مخصوص مذہب نہین، صداقت و خلوص کہین بھی ہو اُس ہستی مطلق کو محبوب ہے، اُسکے نزدیک کوئی جماعت ہیزم جہنم نہین، بلکہ سب اپنی اپنی استعداد و بصیرت کے مطابق منزل مقصود کے جانب حرکت کر رہے ہین، ایسے لوگونکو نیک نفسی رواداری، فراخ دلی اخوت، مساوات، خلوص و ایثار کے لئے کسی خارجی تعلیم کی ضرورت نہین،

معارف، کیا یورپ مین بھی ظاہری العقیدہ اور قائلین وحدۃ الوجود فرقون کا وجود ہے ؟ بہرحال اس جنگ عظیم مین لمحد یورپ کو کسی نوع کے خدا کا تو یقین آیا چاہے وہ عامیانہ تخیل کا ہو، یا صوفیانہ،

اخبار علمیہ

سر چارلس لائل، جو متعدد شعراء عرب کے دواوین اور انکے انگریزی تراجم شائع کرکے ہین، حال مین اُنکے زیر اہتمام کیمبرج یونیورسٹی پریس سے کُلیات عمر بن قمیئہ شائع ہوا ہے، یہ شاعر قیس بن ثعلبہ کے خاندان سے تعلق رکہتا تھا، جو قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ تہا اور امرؤالقیس کا مُعاصر اور رفیق سفر تہا، کلیات کا بیشتر حصہ عمر کے دیوان پر مشتمل ہے، جسکا قلمی نسخہ کچھ روز ہوئے قسطنطنیہ کی مسجد سلطان فاتح کے کتب خانہ مین دستیاب ہوا تھا، اور اسکے علاوہ بعض متفرق نظمین مختلف ذرائع سے حاصل ہوئی ہین، سر چارلس لائل کلیات کا اصل متن اور انگریزی ترجمہ دونون شائع کر رہے ہین۔

سال گذشتہ مین ہندوستان مین جتنے اشخاص نے اپنی ایجادین پیٹنٹ کرائین اُنکی مجموعی تعداد ۲۳۴۹ تھی، اور ان مین ۵۷ ہندوستانی تھے، جن مین ایک نام مہاراجہ سندھیا (والی گوالیار) کا بھی نظر آتا ہے، ان ایجادات کے بعض عنوانات کے ماتحت اُنکی تعداد حسب ذیل تھی :-

(۱) کہانا پکانے سے متعلق،	۲۶
(۲) برف جمانے اور سرد کرنے سے متعلق،	۹
(۳) قوت کہربائی سے متعلق،	۵۹
(۴) فرنیچر سے متعلق،	۱۷
(۵) طب وجراحی سے متعلق	۲۷
(۶) ریل وٹرامبوے سے متعلق	۱۰۸

(۷) موٹرون سے متعلق،	۴۹
(۸) شکر سازی سے متعلق،	۱۰
(۹) عام اوزار سے متعلق،	۱۴
(۱۰) قفل سازی سے متعلق	۴۸
(۱۱) گیس اور تیل سے متعلق	۷۰

مہاراجہ گوالیار کی ایجاد ایک خاص قسم کی جہولنے کی کرسی ہے،

پیرس کے ڈاکٹر دور ونوف، اور امریکہ کے ڈاکٹر کیلر نے حال مین یہ دعوی پیش کیا ہے کہ انسان کے مردہ ہونے کے ساتھ ہی دفعۃً تمام جسم پر اجل طاری نہین ہو جاتی، بلکہ حرکت قلب کے رک جانے کے بعد بھی پورے اٹھارہ گھنٹہ تک ہڈیون کی زندگی برقرار رہتی ہے، اور مختلف غدودون مین تین سے لیکر چھ گھنٹہ تک انکی فعلیت قائم رہتی ہے، پھر چونکہ مختلف غدود قیام حیات مین خاص طور پر معین ہوتے ہین، اسلئے جوان عمر وتندرست اشخاص کی تازہ نعشون سے غدود بذریعہ عمل جراحی نکال کر زندہ اشخاص کے کام مین بہ آسانی لائے جا سکتے ہین، فرنچ پروفیسر دورونوف کے یہ دعاوی محض نظریہ کی حیثیت رکہتے تھے، لیکن امریکہ کے ڈاکٹر کیلر نے ایک قدم اور بڑھا کر ان پر عمل وتجربہ شروع کر دیا ہے، اور اب تک خاصی کامیابی ہو رہی ہے، پروفیسر موصوف کی تجویز ہے، کہ اس مقصد کے لئے مخصوص اسپتال کہولنے چاہئے، تاکہ تندرست اشخاص کی تازہ نعشین وہان جلد سے جلد لاکر انکے کار آمد اعضا خصوصاً غدود بذریعہ عمل جراحی نکال کر زندون کے کام مین لائے جائین،

امریکہ کے نامور جنرل ہوریس کارپنٹر، جنھون نے ابھی وفات پائی ہے، انکی جائداد کی کل قیمت ۲۱۲۰۰۰۷ پونڈ (اکڑور ۲۰ لاکھ روپیہ) نکلی، یہ ساری رقم انکے وصیت نامہ کے مطابق تین امریکی یونیورسٹیون مین تقسیم ہو رہی ہے، نیویارک کے ایک اور متوفی رئیس مسٹر لینی، ۱۰ ہزار پونڈ (ڈیڑھ لاکھ روپیہ) کا ترکہ بوسٹن یونیورسٹی کے لئے چھوڑ گئے ہین،

معارف کے کسی پچھلے نمبر مین اطلاع دی جاچکی ہے کہ اثریات ہند پر مسٹر ہری کرشن کا رسالہ بہترین قرار پایا، اور انہین پنشے مورل کا تمغہ انعام دیا گیا، یہ رسم رایل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن کی عمارت مین انجام پائی اور اسکی صدارت ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے کی، جنکی تاریخ ہند پر متعدد ضخیم تصانیف موجود ہین، اور جو انگلستان مین تاریخ ہند کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے ہین، ڈاکٹر موصوف نے اپنی تقریر مین بیان کیا، کہ مسایل متعلقہ ہند قدیم کی بابت اسوقت ایک بڑی جماعت تحقیق و تفتیش مین مصروف ہے، جس مین ایک کافی تعداد خود اہل ہند کی ہے، تمثیلاً ڈاکٹر موصوف نے دو ہندوستانیون کے نام خصوصیت کے ساتھ پیش کئے، ایک پروفیسر جادو ناتھ سرکار جنکی نا تمام "تاریخ عہد اورنگ زیب" ایک عظیم الشان تاریخی کارنامہ، اور نادر و قلمی کتب تاریخ وغیرہ سے ماخوذ ہے، دوسرے پروفیسر کرشنا سوامی آینگار (مدراس) جو وجیانگر کی قدیم تاریخ حیرت انگیز تحقیقات و تفحص کے ساتھ مرتب کرنے مین مصروف ہین،

مسز ڈلی نے اپنے شوہر متوفی کی یادگار مین آکسفورڈ یونیورسٹی مین معاشیات کی تحصیل و تکمیل کے لئے ایک معقول وظیفہ ڈلی اسکالر شپ کے نام سے قایم کرایا ہے اور اس غرض کے لئے یونیورسٹی کو ۲۰ ہزار پونڈ (تین لاکھ روپیہ کا عطیہ) دیا ہے۔

مسٹر کارگل نے گلاسگو یونیورسٹی سے خواہش کی ہے کہ طبیعیات عملی کی تعلیم کے لئے ایک جداگانہ لکچر شپ قایم کی جائے اور اس مقصد کے لئے ۲۰ ہزار پونڈ (تین لاکھ روپیہ) کی رقم یونیورسٹی مذکور کے خزانہ مین جمع کردی ہے،

قاہرہ کے پرچہ کوکب کو مسٹر احمد شاکر الکرمی اطلاع دیتے ہین، کہ مشہور نایاب کتاب ابو العلا معری کی فصول والغایات کا جزو اول سید محب الدین خطیب کو ہاتھ آگیا ہے یہ کتاب قرآن کا جواب سمجھی جاتی تھی اور اس بنا پر اسکے محفوظ رہ جانے کی توقع نہ تھی، چنانچہ یاقوت نے اپنی کتاب مین ذکر کیا ہے، کہ ایک مقدس مہتمم کتب خانہ کو کہین سے اسکا ایک نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا جسے اس نے تلف کر ڈالا، اس سے پیشتر اسکے بعض متفرق اجزا پروفیسر مارگولیوس نے ابو العلا کی تصانیف کے تبصرہ مین نقل کئے تھے، اس جدید انکشاف کا علمی دنیا مین نہایت شوق سے خیر مقدم کیا جائے گا،

(پروفیسر مارگولیس اور رایل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل)

مشہور مکتشف و مجتہد سائنس سر جے، سی، بوس جنکی روانگی یورپ کا تذکرہ نومبر کے معارف مین آچکا ہے کئی ہفتہ ہوئے انگلستان پہنچ گئے اور وہان کی متعدد سائنٹفک مجالس اور انجمنونکے سامنے اپنے جدید افکار و اعمال کے نتایج پیش کر رہے ہین، جن پر ٹائمز اور دوسرے مقتدر اخبارات حیرت کا اظہار کر رہے ہین، ایک مجلس مین جو زیر صدارت مسٹر بالفور (چانسلر کیمبرج یونیورسٹی) منعقد ہوئی تھی بوس نے بیان کیا کہ انھون نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے نباتات کی شرح نمو دریافت ہوجاتی ہے جو بمقابلہ سست سے سست رینگنے والے جانور کی شرح رفتار کے ۱/۲۰۰۰ ہے!

ادبیات

رباعیات حالی

غیر مطبوعہ

برروایت مولانا حمید الدین صاحب از مولانا حالی

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ — سامان کی حرص، بینوائی ہے یہ
حاجت کم ہو تو ہے یہ شاہنشاہی — اور کچھ نہ ہو حاجت، تو خدائی ہے یہ

محنت سے وصول چاہیے ہوں اگر — کر اشرفیوں کی تھیلی پر نہ نظر
یہ کیچلی میں بھرا ہوا سانپ ہی سانپ — ہاں سوچ سمجھ کے ڈالنا ہاتھ امیر

فریاد اکبر

ابتدائے عالم ہستی میں میں بیہوش تھا — ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے — بعد ازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

اک بحر بیکراں ہے حوادث کا سلسلہ — الجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہو گیا
اٹھے مورخین، زمانے میں گم ہوئے — افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہو گیا

فنا کے سامنے ہم کیا ہماری ہستی کیا — برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا
ہوا جو ہمنفس، قطرہ بنگئی دم بھر — حباب نے بھی خودی کا مزا اٹھا ہی لیا

انتظامی بات ہے یہ ہوتی آئی ہے یونہیں — اسکا کیا شکوہ جو ہم پر اسکو غالب کر دیا
ہاں یہی افسوس ہے چھن گیا صبر و قرار — طالب حق کو فلک نے اسکا طالب کر دیا

جگنو

از مولوی اقبال احمد سہیل ایم اے ایل ایل بی

اے شرار مضطرب اے برق بیتاب زمین — شمع کنج گلستاں، روشن دل صحرا نشین
سچ بتا اے شعلۂ احساس کیوں ہے بیقرار — کسکی شمع حسن پر مرتا ہے تو پروانہ وار
منتظر کس کا ہے تو اے دیدۂ بیخواب کہہ — جستجو کسکی ہے تجکو کرمک شب تاب کہہ
کہہ تو اے الماس پرّاں کسلئے مضطر ہے تو — ہے حقیقت تیری کیا کس کان کا جوہر ہے تو
سچ بتا جگنو یہ ہیں تیری ہی آتش باریاں — یا تصادم سے ہوا کے اڑتی ہیں چنگاریاں
کہہ رہے ہیں اہل گردوں تیرا جلوہ دیکھکر — گر پڑے کیا خوشۂ پروین کے دانے خاک پر
جگمگا اٹھا ہی گلستاں یہ تیرے نور سے — آتش سے شعلہ زن ہے یا رگ انگور ہے
ابلق ایام کا بیشک تو نور العین ہے — نور و ظلمت، روز و شب کا مجمع البحرین ہے
شعلہ بنکر آہ نکلی ہے درون خاک سے — یا سرشک افشاں ہے انجم دیدۂ نمناک سے
ہے حصار چرخ پر یہ شعلہ باری کسلئے — جنگ یہ فوج کواکب سے ہے جاری کسلئے

باب التقریظ والانتقاد

رسالۂ علم نباتات

از مولوی عبدالعلی صاحب ندوی بی ایس، سی

رسالہ **علم نباتات** جسکی اشاعت کے لئے ہم انجمن ترقی اُردو کے ممنون ہین، اسوقت ہمارے سامنے ہے، اس سے پہلے اسی انجمن نے ایک اور کتاب مبادی سائنس شایع کی تھی جسکا ایک حصہ علم النبات کے لئے مخصوص تھا، جس تیز رفتاری کے ساتھ تمام علوم عموماً اور فنون حکمیہ خصوصاً میدان ارتقا رمین گام زن ہین، اسکا اقتضا یہ تھا کہ ابتک اس فن پر بیسیون کتابین لکھی جا چکی ہوتین، لیکن ہم تمدن کے کتنے مطالبات پورے کر چکے ہین کہ اسکی شکایت کرین،

رسالہ علم نباتات نہایت سلیس اور سُلجھی ہوئی زبان مین لکھا گیا ہے اور اسمین حتی الامکان اصطلاحات کا بہت کم استعمال کیا گیا ہے، اور یہی ایک ابتدائی کتاب کے لئے شایان بھی تھا، یہ رسالہ درحقیقت علم النبات کے چند مسائل کی ایک جھلک دکھا دیتا ہے، اور اس فن کے مہمات مسائل بھی اس مین پورے طور پر نہین ذکر کئے گئے،

علم النبات پر ایک مستقل تصنیف اسیوقت مکمل ہو سکتی ہے جب اسمین تمام اعضاے نباتیہ کی ظاہری تشریح، ہر قسم کے سیلون کی خردبینی تشریح، انکے کیمیائی تاثرات وکیمیائی رکازات، افعال اعضا، طریقۂ تغذیہ، ونمو وتناسل اور توضیحی تجارب، نباتات پر ماحول کے اثرات مستقل وغیر مستقل، اور نباتات کی تنویع اور انواع واصناف کے باہمی ارتقائی تعلقات کا ذکر کیا جائے، اور ہر نوع کے ایک پودے کو لیکر اسکی سرگذشت حیات تفصیل سے بیان کیجائے، اسی کے ساتھ ہی خانہ (cell) کی تشریح دقیق اور نشاۃ اولی (protoplasm) کے مظاہر حیاتیہ وخصائص پر ایک نظر ڈالی جائے، اور پھر فلسفۂ علم الحیات کے مہمات مسائل بیان کئے جائین اور ارتقا، توریث وافتراق کے متعلق ڈارون، ڈی وری، اور گیلین کی مساعی جمیلہ نے جن مظاہر حیات کو بے نقاب کیا ہے وہ ملک کے سامنے پیش کئے جائین۔

اگر جمود وتقلید مانع نہو تو اسی کے ساتھ یہ نہایت ضروری ہے کہ جتنی مثالین بیان کی جائین وہ حتی الامکان ہندوستان کی پیداوار مین سے ہون تاکہ براہ راست مشاہدات کئے جا سکین، اگر یہ نہوا تو علم النبات پر نئی تحقیقات کی امیدین رکہنا عبث ہوگا، اور چونکہ مثال ممثل لہ سے زیادہ خفی ہوگی اسلئے مسائل کا سمجہنا بھی دشوار ہو جائیگا۔

اشکال جو علم الحیات کے مضامین سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہین انکا اوسط اس رسالہ مین تقریباً ½ فی صفحہ ہے، یورپ مین اس فن پر جو کتابین شایع ہوتی ہین، ان مین اشکال وتصاویر کی کثرت وصحت کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہے، متوسط درجہ کی نباتیات کی درسی کتابون مین اشکال کا اوسط فی صفحہ تقریباً ½ سے ایک تک ہوتا ہے،

ہم کہہ چکے ہین کہ یہ رسالہ مشتے نمونہ از خروارے سے زیادہ نہین ہے، لیکن جو کچھ اسمین بیان کیا گیا ہے، اسکی نظم وترتیب کی ستائش نہین کیجا سکتی۔

تمہید کے بعد پہلے باب مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ "پودون کی قسمین الگ الگ کیونکر ہوئین" اسمین نباتات کے ارتقا اور انکی تنویع کا نہایت مجمل اور سرسری بیان ہے۔

دوسرے باب مین پودون کے کہانے کا ذکر ہے، اسمین اول پتون کے افعال اور پھر انکی ساخت اور پھر ساخت پر ماحول کے اثرات بیان کئے گئے ہین اور پودون کی تقسیم باعتبار عمر کے کیگئی ہے، طریق تغذیہ کے لئے جن تجارب کا بیان کرنا اس باب مین ضروری تہا وہ چھوڑ دیے گئے

اور محض پتون کی تشریح پر اکتفا کیگئی ہے، پتون کی ساخت پر ماحول کے اثرات اور پودون کی تقسیم پر جو مضامین اس باب مین ذکر کئے گئے ہین وہ ترجمۃ الباب کے تحت مین کسی طرح نہین آتے،

تیسرے باب مین پودون کے پینے کا ذکر ہے اسمین جڑون کے افعال اور ظاہری ساخت و طریقۂ جذب، حل کیمیائی، پروٹوپلازم اور تخمزہ کا ذکر ہے، اسکے بعد پودون کی نامکمل تنویع کی گئی ہے اسکے بعد نو صفحے اسکی تشریح مین صرف کئے گئے ہین کہ باغبان پودے کے بڑھنے کے لئے زمین کا خیال کیون کرتے ہین اور ہوا کا خیال کیون نہین کرتے، اسکے بعد پودون پر آب وہوا کے اثرات بیان کئے گئے ہین، ابتدائی نو دس صفحون مین جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ تو عنوان باب کے تحت مین آسکتا ہے باقی تیس بتیس صفحے عنوان سے بالکل بے تعلق ہین، بلکہ اسکے بعض مباحث مثل حل کیمیائی اور اسکی تشریح کہ باغبان پودے کے بڑھنے کے لئے زمین کا خیال کیون نہین کرتے، علم النبات سے تھوڑا ہی تعلق رکھتے ہین، اس باب مین بھی تجارب بہت ہی کم اور بالکل نامکمل ہین،

باب چہارم و پنجم مین پودے کی تلقیح، اور تلقیح کے طریقے بیان کئے گئے ہین اور باب ششم مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ پودے اپنے بیجون کو کس طرح پھیلاتے ہین، یہ آخری تین باب نسبتہً اچھے لکھے گئے ہین علم النبات کی ایک اوسط درجہ کی کتاب کا جو خاکہ ہم دیکھ چکے ہین، اسکے ساتھ اس رسالہ کے مضامین کا مقابلہ کرنے سے اسکا اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب کتنی نامکمل ہے،

کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہم ان افسوسناک مسامحات واغلاط کا کچھ ذکر کرنا چاہتے ہین، جنھون نے اس کتاب کی قیمت کم کردی ہے،

امثلۂ خارجی کی کثرت امثلۂ وطنی کا فقدان

سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اس رسالہ کی زیادہ تر مثالین یورپ کی پیداوار سے اخذ کیگئی ہین، شاید اس رسالہ کے ناظرین سے یہ توقع کیگئی ہے کہ وہ علم النبات کے مطالعہ کے لئے یورپ کی بیابان نوردی اختیار کرین گے، ہندوستان کی چنین پاافتادہ

مثالین نظرانداز کرکے یورپ کی مثالین اختیار کرنے کے چند نمونے ہم پیش کرنا چاہتے ہین،

صفحہ ۲۶ مین پنجہ نما مرکب پتون کے بیان مین ہارس چیسٹ نٹ، ورجینیا اور اسٹرابری کے پتون کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ سینبھل، کپاس امریکی کانپوری، ارہر، موٹھ اور ریٹھا جو ہندوستانی پودے ہین انکی شکل کو مغربی پودون سے بہتر ظاہر کرسکتے تھے،

صفحہ ۲۷ مین ایک قسم کے پرنما پتون کے ذکر مین بلیڈاسنا کا حوالہ دیا گیا ہے اور حیرت ہے کہ آم، جامن، کیلا، مرچ، گل عباس ایسے ہزارہا ہندوستانی پودون مین سے کوئی مصنف کے تخیل کو مائل نہ کرسکا۔

صفحہ ۲۷ ہی مین اسپینی چیسٹ نٹ کے بجائے مکوہ، کٹیلہ، جنگلی گوبھی، اور گل عباس یا شاہ بلوط کے بجائے شلجم و مولی، مرزنج کے بجائے املی، ببول اور سرپھوکہ وغیرہ ہم ہندوستانیون کو زیادہ سمجھا سکتے تھے،

صفحہ ۳۰ مین آلو بخارا کے بجائے شفتالو، بیر، گل مہندی وغیرہ زیادہ مناسب تھے۔

صفحہ ۳۲ مین تیر نما پتون کی کوئی مثال نہین دیگئی، حالانکہ ہندوستان مین ایسے پودے بکثرت موجود ہین، منجملہ انکے کوڑیالہی ہے جسکے سفید قیف نما پھول صبح کو میدانون مین ہر شخص کی توجہ کو اپنی جانب مائل کرلیتے ہین،

کرم خور پودون کے بیان مین کافی تطویل سے کام لیا گیا ہے اور سات پودون کا حال بیان کیا گیا ہے، جنمین سے سوا دو ایک کے جو شملہ اور رینی تال پر ملتے ہین، اور کوئی ہندوستان مین نہین پایا جاتا ہے، اس سلسلہ مین اس پودے کا ذکر نہین کیا گیا، جو ہندوستان کی میدانی جھیلون مین بکثرت پایا جاتا ہے، چنانچہ لکھنؤ کے قریب جنہٹ جھیل مین بھی وہ بکثرت موجود ہے۔

صفحہ ۸ مین ناشپاتی کے پھولون سے مثال دیگئی ہے اور اس سے زیادہ مشہور اور متداول

مثالیں چھوڑ دیگئی ہیں،

باب پنجم و ششم کی مثالیں بھی زیادہ تر مغربی ہیں، حالانکہ اس باب میں نباتات ہند اُن سے کچھ کم دلچسپ نہ تھے، مثلاً گیکیٹی، کپاس، مدار، کنیر، گنگچی، ڈھموڈیلم، خرفہ، چلول، کالاکچوا، پپو، اور ناریل اور سلویا وغیرہ،

یہ تو سامحات تھے، اب اغلاط کو ہم پانچ عنوانوں پر تقسیم کر سکتے ہیں، ہر عنوان کے تحت میں ہم چند مثالیں بیان کرینگے، (۱) تعمیم ماحقہ التخصیص (۲) تخصیص ماحقہ التعمیم (۳) نظریات وما بہ النزاع مسائل کا یقینیات کی حیثیت سے ذکر کرنا، (۴) ایسے افعال وخواص کا ثبوت جو بے اصل ہیں، (۵) غلط تعریفیں اور تقسیمیں،

تعمیم ماحقہ التخصیص

"اگر ہم کسی پھول کو نگاہ غور سے دیکھیں تو ہمیں ذیل کے پائیں گے، پھول کے وسط میں جو عضو ہوتا ہے اسے موسلی کہتے ہیں، یہ وہی عضو ہے جسکے ذریعہ سے تولد نسل ہوتی ہے، اسکے کئی حصے ہوتے ہیں، نچلا حصہ گولی کی طرح گول ہوتا ہے جسکو بیضہ دان کہتے ہیں بیضہ دان کے اردگرد باریک دھاگے کے مانند ڈنڈیاں ہوتی ہیں جنکو نالی کہتے ہیں، اسکے سرے پر ایک ظرف ہوتا ہے جسمیں زرد رنگ کا زیرہ ہوتا ہے،"

"پھر اگر ایک ہی پودے میں نر و مادہ پھول دونوں ہوں تو کم از کم ایک شاخ کا فاصلہ ضرور ہوتا ہے دونوں قسم کے پھول ایک ہی شاخ پر نہیں ہوتے،"

تخصیص ماحقہ التعمیم

ان میں سے ہر ایک خانہ پھر دو خانوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور جب تک کافی مقدار میں کاربونک ایسڈ گیس اور روشنی ملتی رہتی ہے یہ تقسیم جاری رہتی ہے،

نظریات وما بہ النزاع مسائل کا یقینیات کی حیثیت سے ذکر کرنا

"جتنے پودے دنیا میں پائے جاتے ہیں خواہ وہ درخت ہوں یا جھاڑی یا گھاس پات سب ایک ہی مورث اعلیٰ سے پیدا ہوتے ہیں،"

"ہر ایک پودا بذات خود واحد نہیں ہے بلکہ ایک بستی کی طرح اسمیں بہت سے افراد ہیں،"

ایسے افعال وخواص کا ثبوت جو بے اصل ہیں

"اگر ہم پتے سے ایک نہایت باریک ٹکڑا کاٹیں اور خوردبین سے دیکھیں تو ہم اوپر کے حصے میں ایک حصہ چھوٹے چھوٹے خانوں کا پائینگے جنکے چاروں طرف نہایت صاف و شفاف دیواریں ہونگی، یہ خانے پانی سے بھرے ہوتے ہیں اور پتے کے اوپر پانی کے رد کنے کا کام دیتے ہیں اور کاربونک ایسڈ کو جو ہوا میں پھیلی ہوتی ہے، جذب کر لیتے ہیں،"

"ان خانوں کے نیچے ایک اور حصہ ہوتا ہے جو ٹھیک اسفنج کا سا معلوم ہوتا ہے، اسکا کام یہ ہے کہ جسقدر پانی، شکر، نشاستہ اور دوسری چیزیں بنکر جو کچھ بچ رہتا ہے، یہ حصہ اسے نکال دیتا ہے اور دوران کو قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے،"

"ہمارے ملک ہندوستان میں ایک پودا ہوتا ہے جسکو نیلوفر کہتے ہیں، یہ پودا ندیوں یا جھیلوں میں ہوتا ہے، اسمیں دو قسم کے پتے ہوتے ہیں،"

"عام طور سے پتے جڑوں سے نہیں نکلتے بلکہ تنے سے، تاہم جب جڑیں ہوا اور روشنی میں آجاتی ہیں تو ان سے کونپلیں نکل آتی ہیں،"

"جو ان مفرد اجزا سے مرکبات تیار کرنے کے بجائے پیچیدہ اور مرکب غذاؤں کو توڑ پھوڑ کر مفرد بنا ڈالتا ہے،"

غلط تعریفیں اور تقسیمیں

"آپ پہلے سن چکے ہیں کہ پتے کے اوپر ایک سلسلہ چھوٹے چھوٹے خانوں کا ہے اور اسکے نیچے ایک سلسلہ سبز خانوں کا، جنمیں سبز مادہ بھرا ہوتا ہے، یہی سبز مادہ پودوں کی زندگی کا باعث ہے، یہ مادہ لیسدار ہوتا ہے اور حقیقت میں یہی ابتدائی پودہ ہے، اس سبز مادہ کو علم نباتات کی اصطلاح میں مخفرہ کہتے ہیں،"

"مخفرہ جسکا بیان پہلے ہو چکا ہے، پروٹوپلازم کی ایک خاص قسم ہے"

"تری کے پودے کی دو قسمین ہین، ایک وہ جسمین مخنزہ ہوتا ہے دوسرا وہ جسمین مخنزہ نہین ہوتا"

"صرف دو قسم کے پھولون کی تلقیح ہوا کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ایک تو صحرائی درختون کی دوسرے گھاس کے شکل کے پودون کی، صحرائی درختون مین دیودار صنوبر وغیرہ ہین، اور گھاس کی شکل کے پودون مین گیہون، چنا، جوار، باجرہ، چانول اور بانس وغیرہ"

ہمین امید ہے کہ آیندہ اشاعت مین ان تسامحات کی اصلاح کردیجائیگی۔

آخر مین ہم پھر اسکا اظہار کرنا چاہتے ہین کہ اس رسالہ کا طرز بیان ایسے لوگون کے لئے نمونہ بن سکتا ہے جو سائنس پر ابتدائی کتابین لکھنے کا ارادہ رکھتے ہون۔

مطبوعات جدیدہ

گہوارۂ تمدن، مولوی نیاز محمد خان صاحب نیاز فتحپوری کی ایک جدید تصنیف ہے، جسمین اثری تحقیقات، قیاسی نظریات، تاریخی حوالون اور سفرنامون سے یہ دکھایا گیا ہے کہ صنف نسوانی نے ازمنۂ قدیمہ مین تہذیب وارتقاے عالم کا کہان تک ساتھ دیا، اور دنیا کی شائستگی اور مدنیت کی پیدائش مین اسکا کہانتک حصہ ہے، گھر کی ضروریات اور صنعت وحرفت کی تکمیل مین اس نے کہانتک دنیا مین کام کیا ہے،

اس موضوع پر گو انگریزی مین متعدد تصنیفات ہین اور اُن سے اردو مین ایک کتاب مرتب کرلینا آسان کام ہے، لیکن مولوی نیاز صاحب نے اس کتاب مین قابل داد کوشش ومحنت کی ہے، اور ہم ان کے زیادہ ممنون اس بات کے ہین کہ انھون نے کم از کم اس کتاب مین اپنی خاص ادبی زبان استعمال نہین کی ہے، اردو مین یہ مفید اور جدید معلومات امید ہے کہ لوگ دلچسپی کے ساتھ پڑہینگے، اور مصنف کو فہرست مطبوعات اُردو مین ایک نئے باب کے افتتاح پر مبارکباد دینگے،

مولوی صاحب نے حاشیہ (یافٹ نوٹ) کی جگہ استدراک کا لفظ جابجا استعمال کیا ہے لیکن ہماری طرح انکو بھی معلوم ہے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہین، اور اسکا صحیح موقع استعمال کیا ہے، جنس لطیف کے مقابلہ مین "جنس کرخت" کا لفظ شاید ہمارے اخوان جنس اپنے لئے پسند نکرین،

بہرحال کتاب دلچسپ اور نئے معلومات پر مشتمل ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، تقطیع متوسط، ضخامت ۲۵۴ صفحے، قیمت ع۱ مصنف سے تاج محل بھوپال کے پتہ سے طلب کیجئے۔

شہنشاہ کونین، الکلکتہ کے مسلمان طلبہ کو سیرۃ نبوی پر مضمون لکھنے کے لئے ایک انعامی مقابلہ کی

دعوت دیگئی ہے، تمام طلبا مین حامد نعمانی اعظم گڈہی (پریسیڈنسی کالج کلکتہ) کا مضمون سب سے بہتر سمجھا گیا
اور انکو جناب راجہ صاحب محمود آباد کے ہاتھ سے ایک تمغہ دیا گیا، یہی مضمون مذکور شہنشاہ کونین ؐ کے
نام سے شایع کیا گیا ہے،

اس رسالہ مین سیرۃ نبوی کے مختصر واقعات سہل وآسان زبان مین خطیبانہ انداز سے لکھے
گئے ہین، طلبہ اور عام شائقین اُسکا مطالعہ کرسکتے ہین، ضخامت ۱۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط،
قیمت ۴ر، پتہ: حامد نعمانی صاحب نمبر ۱۶ بوبازار اسٹریٹ کلکتہ،

حقیقت (لکھنؤ) ہندوستان کی اسلامی آبادی مین لکھنؤ کو جو شرف و امتیاز حاصل ہے، اس سے کسکو
انکار ہوسکتا ہے، ضرورت تھی کہ اس شہر سے جو ملک کی اسلامی آبادی مین دماغ کی حیثیت رکھتا ہے ایک
سنجیدہ، باوقار اور معتدل اخبار جاری کیا جائے، خدا کا شکر ہے کہ لکھنؤ کے چند باہوش اور صحیح الرائے
مسلمان ارباب فکر وقلم نے اس ضرورت کو محسوس کیا، اور حقیقت کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار
۲۴- اکتوبر ۱۹۱۹ء سے جاری کردیا جو کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے،

یہ اخبار بڑی تقطیع کے ۸ صفحے پر شایع ہوتا ہے، کاغذ، لکھائی، چھپائی سب قابل تعریف ہے،
سب سے زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ اسکا نصب العین صرف سیاست نہین، بلکہ علمی، تعلیمی، معاشرتی،
اجتماعی، اقتصادی، غرض ملک وقوم کی زندگی کے ہر شعبے کو اُبھارنا اور درست کرنا چاہتا ہے، ہفتہ مین
ایک دفعہ اپنی زبان کی مطبوعات پر نظر کرتا ہے، ہر ہفتہ ملک کے اہم واقعات وحوادث پر تبصرہ
لکھتا ہے، برادران وطن کے مساعی جمیلہ سے اپنی قوم کو ہمیشہ آگاہ کرتا رہتا ہے، تعلیم ومعاشرت کی اصلاح
مین حصہ لیتا ہے، سیاسیات مین اپنی رائے ژرف نگاہی سے قائم کرتا ہے، ہم ناظرین سے ملتمس ہین کہ وہ
اپنی قدردانی کا اظہار فرمائین کہ یہ چند روزہ خوش آیند بہار نہ ثابت ہو،
قیمت سالانہ صہ ر، پتہ: دفتر حقیقت، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ،

مجلد پنجم | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ مطابق فروری ۱۹۲۰ء | عدد دوم

مضامین

جدید مطبوعات